طاعون



محی الدین نواب

برصغیر پاک وہند کی تقسیم سے قبل جن حالات و نظریات کی بنیاد پر مسلمانان ہند کے لئے ایک علیحدہ مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ وقت نے ثابت کردیا کہ وہ نظریات مفروضات پر مبنی نہیں تھے بلکہ یہ اس وقت کی مسلم قیادت کی دوراندیشی اور معاملہ فہمی تھی جس کی تصدیق تقسیم کے بعد بھارتی مسلمانوں کی حالت زار سے بھی ہوئی۔

زیر نظر داستان طاعون کی کالی بلا کے سائے میں آنے والے بھارتی علاقے کی منظر کشی بھی کرتی ہے اور بھارتی مسلمانوں کو درپیش مسائل کی عکاس بھی ہے نواب صاحب نے اپنی اس تحریر کے ذریعے ہندو ذہنیت کے ان گوشوں کی نشان دہی بھی کی ہے جس پر بھارتی حکمرانوں نے ہمیشہ اھنسا اور سیکولرازم کا پردہ ڈالے رکھا۔

یہ ایک ایسی لڑکی کی کہانی ہے جس نے خالص ہندو ماحول میں آنکھ کھولی تھی لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ اس کی رگوں میں تو مسلمان خون دوڑ رہا ہے تو ایک نیا دوراہا اس کے راستے میں آگیا۔ "ایمان مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر" کی تصویر وہ بنت حوا اپنی اس شناخت کے ساتھ زندہ رہنا چاہتی تھی۔

نشہ دولت کا ہو، طاقت کا ہو یا شراب کا، ان میں سے کوئی بھی نشہ بزدل کو شہ زور اور چوہے کو شیر بنا دیتا ہے اور یہ تو بہت پرانا لطیفہ ہے کہ ایک چوہا، شراب سے بھرے ہوئے ڈرم میں گر گیا۔ جب تک وہ شراب میں تیر کر کنارے لگتا، تب تک اس پر نشہ غالب آچکا تھا۔ اس نے ڈرم کے اوپر چڑھ کر نشے میں جھومتے ہوئے سینہ تان کر کہا:

"WHERE IS THE CAT"

وہ مغربی چوہا تھا۔ اس نے نشے میں للکارا تھا۔ "کہاں ہے بلی؟" لیکن مشرق میں وہ چوہا بھارت کے ڈرم سے تیر کر باہر آیا اور زوردار بڑھک ماری۔ "کہاں ہے اگنی اور پرتھوی میزائل؟"

اس بڑھک نے پورے گھر کو دہشت زدہ کر دیا۔ شانتا بائی اپنے دودھ پیتے ہوئے بچے کے ساتھ اچھل کر چارپائی پر آ گئی۔ جوان بیٹی مایا بھی چیخ مار کر دوڑتی ہوئی ماں کے پاس چارپائی پر آ گئی اور وحشت سے کمرے کے فرش کو چاروں طرف یوں تکنے لگی جیسے اس چاردیواری کے اندر موت کی ایک جھلک دیکھی ہو اور ایک بار پھر اسے دیکھ کر اپنے بچاؤ کی تدبیر کرنا چاہتی ہو۔

شانتا بائی کا جوان بیٹا رام مورتی ایک شکستہ سی میز پر چڑھا ہوا تھا۔ وہاں سے اپنے باپ سے بولا۔ "باپو! میں نے بھی اسے دیکھا ہے۔ وہ میرے دونوں پیروں کے نیچے سے نکل کر ادھر میلے کپڑوں کی گٹھڑی کے پیچھے گیا ہے۔ پتا نہیں وہ کب سے میرے پیروں کے پاس تھا۔ میں اسے دیکھتے ہی میز پر آ گیا۔ تم بھی آ جاؤ باپو!"

اس کا باپ ہاتھ میں ایک ڈنڈا لیے کھڑا تھا اور میلے کپڑوں کے ڈھیر کو دیکھ رہا تھا۔ ایک تو وہ تمام کپڑے گندے تھے پھر ان میں گود کے بچے کی غلاظتیں بھی تھیں۔ وہ کپڑے دو دنوں سے اس انتظار میں پڑے ہوئے تھے کہ صابن خریدا جائے گا تو ان کی دھلائی ہو سکے گی لیکن ڈنڈا پکڑے ہوئے دھرما کی کمائی میں کبھی دو وقت کا اور کبھی ایک وقت کا کھانا ملتا تھا............ پھر فاقے ہوتے تھے۔ ایسے میں صابن خریدنا اوقات سے باہر ہو گیا تھا۔

دھرما ڈنڈا ہاتھ میں اوپر کئے دبے قدموں سے ان کپڑوں کی طرف جانے لگا۔

شانتا بائی نے کہا۔ ''اے جی! یہ کیا کر رہے ہیں؟ کیا اسے ماریں گے، پاپ کریں گے؟''

دھرما کے قدم رک گئے۔ ہاتھ میں ڈنڈا اٹھا رہ گیا۔ ان کے دھرم کے مطابق چوہے کو مارنا صرف پاپ یعنی گناہ ہی نہیں تھا، بلکہ مہا پاپ یعنی گناہِ کبیرہ تھا۔ وہ گھرانا گنیش جی کی پوجا کرتا تھا۔ ان گنیش مہاراج کی پوجا، جن کا دھڑ انسان کا اور سر ہاتھی کا تھا اور یہ گنیش مہاراج، مہا دیو شیو شنکر کے بیٹے تھے۔ دھارمک کتاب کے مطابق گنیش جی کو چوہے بہت پسند تھے۔ وہ چوہوں کو گڑ اور چوری کھلاتے تھے اور ان سے کھیلتے تھے۔ چوہے ان کے آس پاس دوڑتے تھے، ان کے بدن پر چڑھتے تھے۔ وہ گنیش مہاراج کے بچپن کے ایام تھے مگر صدیاں گزرنے کے بعد بھی ان کے پجاری انہیں ''گنپتی بپا موریا'' کہتے ہیں اور چوہوں کو محترم سمجھتے ہیں۔

اس دھرم کی یہ خوبی ہے کہ ہندو مختلف جانوروں کا ادب اور احترام کرتے ہیں۔ سانپ کو دودھ پلاتے ہیں کیونکہ یہ سانپ مہا دیو شیو شنکر کی گردن سے لپٹے رہتے تھے۔ اتر پردیش اور خصوصاً شملہ میں بندروں کی نسل بڑھتی رہتی ہے۔ کوئی ہندو کسی بندر کو پتھر نہیں مارتا کیونکہ ہنومان جی نے بھگوان کے اوتار رام جی کی لنکا ڈھانے............ اور راون کو مارنے میں بڑی مدد کی تھی۔

دھرما نے بڑی بے بسی سے میلے گندے کپڑوں کی طرف دیکھا۔ جو دشمن ادھر چھپا ہوا تھا، اسے مارنا پاپ تھا۔ اس نے ہمدردی سے جوان بیٹی اور بے روزگار بیٹے کو دیکھا۔

اس شام چولہا نہیں جلا تھا۔ پکانے کے لیے ایک مٹھی چاول بھی نہیں تھے۔ پھر اس نے اپنی پتنی شانتا بائی کو دیکھا۔ چار دن کا بچہ اس کی سوکھی چھاتی سے چمٹا ہوا منہ مار رہا تھا مگر دودھ کی نہر خالی تھی۔ ایک بوند نہیں مل رہی تھی۔

دھرما نے جھنجلا کر کہا۔ ''رہنے دے اپنی یہ بھگتی۔ کیا یہ نہیں جانتی کہ سرکار ایک چوہا مارنے کے پانچ روپے دے رہی ہے۔ اگر پانچ روپے نہیں ملیں گے تو دال بھات بھی نہیں کھائے گی۔ دودھ کیسے ہوگا؟ کیا بچے کو بھوکا مارے گی؟''

شانتا بائی بچے کو سینے سے بھینچ کر رونے لگی۔ کبھی کبھی دھرم کے عقیدے اور بھوکے پیٹ ایک دوسرے کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ عورت اپنے عقیدے کی خاطر اپنا پیٹ کاٹ سکتی ہے مگر اولاد کو بھوکا نہیں مار سکتی۔ شانتا بائی نے آنکھیں بند کر لیں تاکہ چوہے پر ہونے والے ظلم کو نہ دیکھ سکے۔

اس کی آنکھیں بند تھیں مگر کانوں سے سنائی دے رہا تھا۔ ڈنڈا بار بار فرش پر ٹھک ٹھک کی آواز کے ساتھ پڑ رہا تھا۔ کبھی بیٹی مایا کہہ رہی تھی۔ ''بابو! وہ............ وہ ادھر بھاگ رہا ہے۔''

دھرما کے قدموں کے دوڑنے کی آواز آئی۔ پھر شانتا بائی کو اپنے بیٹے رام مورتی کی آواز سنائی دی۔ ''بابو! وہ ادھر ہانڈی کے پیچھے چھپ گیا ہے۔ ذرا سنبھل کے ہانڈی نہ ٹوٹ جائے۔''

شانتا بائی نے بدستور آنکھیں بند رکھ کر کہا۔ ''اے جی! کیوں پانچ روپے کمانے کے لیے اسے مار رہے ہیں۔ ایک تو پاپ لگے گا دوسرے ہانڈی بھی ٹوٹ جائے گی پھر چاول کس میں پکاؤ گے۔ چھوڑ دو اس بے چارے کو آج ہم بھوکے سو جائیں گے۔''

''ہمارے بھوکے سو جانے سے وہ بیماریاں ختم نہیں ہوں گی جو ان چوہوں سے پیدا ہو رہی ہیں۔ ہمیں اپنے بچوں کو صرف فاقوں سے نہیں، بیماریوں سے بھی بچانا چاہیے۔''

اس کے ساتھ ہی کھٹاک سے ڈنڈا مارنے کی آواز آئی۔ پھر بیٹے نے دونوں ہاتھ

تالی بجانے کے انداز میں ملائے اور کہا۔ ''وہ مارا۔ باپو نے آخر اسے مار ہی دیا۔''

دھرما نے دو انگلیوں کی چٹکی میں اس کی دم پکڑ کر اسے الٹا لٹکا لیا پھر باہر چلا گیا۔ مایا نے کہا۔ ''ماں جی! آنکھیں کھول دو۔ باپو اسے لے گئے ہیں۔''

اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اپنے بچے کو سینے سے لگائے گنیش جی کی مورتی کے پاس آئی پھر سر جھکا کر دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی۔ ''گنپتی بپا موریا! چھما چاہتی ہوں۔ سانپ مہادیو کی گردن سے لپٹ کر بھی انہیں نہیں ڈستے تھے۔ گاؤ ماتا پہلے زمانے کے لوگوں کو سینگ نہیں مارتی تھی اور آپ کے چوہے پہلے بیماریاں نہیں پھیلاتے تھے مگر آج کی دنیا میں گناہ اور جرائم بڑھتے جارہے ہیں اور تو چوہوں کے ذریعے ہم انسانوں کو سزا دے رہا ہے۔''

مایا نے چارپائی پر سے کہا۔ ''مگر ہم نے تو کوئی پاپ نہیں کیا ہے۔ کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ میں چھ برس تک ماں نہ بن سکی تو اس نے مجھے طلاق دے دی۔ کیا ماں نہ بننا جرم ہے؟ اپنے بھگوان سے پوچھو۔ اس نے میری گود میں ایک ننھا سا پھول کیوں نہ کھلایا۔ وہ میرے بھائی کو نوکری کیوں نہیں دیتا۔ باپو کو کبھی کبھی مزدوری کیوں ملتی ہے؟ ہم بھوکے کیوں رہتے ہیں؟''

شانتا بائی نے زیر لب کہا۔ ''بھگوان! میری بیٹی کو معاف کردے۔ یہ ماں نہ بننے کے کارن (باعث) ناستک ہو رہی ہے۔ بڑی ضدی ہے۔ کہتی ہے، جب تک ایک بچے کی ماں نہیں بنے گی، تیری پوجا نہیں کرے گی۔ میں اسے کیسے سمجھاؤں کہ اب شوہر نہیں رہا۔ کوئی دوسرا رشتہ نہیں آرہا ہے۔ اب یہ ماں کیسے بن سکے گی؟ نہیں بن سکے گی تو تجھ سے اور دھرم سے دور ہوتی رہے گی۔ اس کے دکھ دور کردے۔ اسے بے دھرم نہ ہونے دے۔''

مایا نے پرانے اخبار کو جلا کر فرش کے اس حصے پر ڈال دیا تھا، جہاں چوہے کو مارا گیا تھا۔ تاکہ وہاں پڑے ہوئے خون کے دھبوں سے جراثیم نہ پھیلیں اور اسی جگہ مر جائیں۔ اس کا بھائی رام مورتی چارپائی پر آکر لیٹ گیا۔ وہ کچھ سستی اور بے چینی سی محسوس کررہا

تھا۔ اس نے لیٹنے کے بعد بڑی بہن کو دیکھا۔ سولہ برس کی عمر میں شادی کردی گئی تھی۔ اس کے سسرال جانے کے بعد ایک بوجھ سا اتر گیا تھا۔ تب ہانڈی میں کھانا کم نہیں پڑتا تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ پیٹ بھر کر کھایا کرتا تھا مگر چھ برس کے بعد سسرال والوں نے اسے دھکے دے کر میکے پہنچا دیا۔ کیونکہ اس نے اپنے پتی کو ایک بچے کا بھی باپ نہیں بنایا تھا۔ گھر میں ایک فرد کا اضافہ ہو جانے سے گویا ملک کی آبادی بڑھ جاتی ہے۔ مہنگائی سب سے پہلے غریبوں کے گھروں میں گھستی ہے۔ مایا کے واپس آجانے سے وہ لوگ پھر آدھا پیٹ کھانے لگے تھے۔

رام مورتی نے کہا۔ ''دیدی! میرے حساب سے تم بائیس برس کی ہو۔ روپ رنگ بھی اچھا ہے۔ تم میں کوئی کمی نہیں ہے۔ پھر اور کہیں سے رشتہ کیوں نہیں آرہا ہے؟''

وہ جلے ہوئے اخبار کی راکھ کو فرش سے صاف کرتے ہوئے بولی۔ ''میں اس گندی جھونپڑی سے نکل کر بازار میں بیٹھ جاؤں تو روز رشتے آئیں گے۔ تو کیا چاہتا ہے، میکے سے چلی جاؤں؟''

''تم تو ناراض ہو جاتی ہو۔ میں کون ہوتا ہوں تمہیں گھر سے نکالنے والا؟ گھر کے مالک تو باپو ہیں۔ میں تو یہ سوچتا ہوں کہ غریبی صرف بھوکے مرنے کا نام نہیں ہے۔ میری بہن کی بے عزتی کا نام بھی ہے۔ تم جھونپڑی میں ہو تو لوگ اچھی صورت کو دیکھتے ہیں نہ اچھی سیرت کو۔ ہمارے ساتھ تمہیں بھی سزا مل رہی ہے۔''

وہ فرش پر بیٹھ گئی جیسے ستارہ تھی، آسمان سے ٹوٹ کر زمین پر آگئی تھی۔ بائیس برس کی عمر بھلا کیا ہوتی ہے؟ بھرپور جوانی کا دور ہوتا ہے۔ اس دور میں حوصلے پست نہیں ہوتے۔ اس کے اندر بھی حوصلہ تھا۔ وہ چاہتی تھی، کوئی بھی آجائے۔ ایک بار اسے بیاہ کر لے جائے۔ پھر وہ ماں بن کر دکھائے گی اور ثابت کرے گی کہ اسے دھکے دے کر گھر سے نکالنے والا، اس کی توہین کرنے والا خود باپ بننے کے قابل نہیں تھا۔

شانتا بائی نے گنیش جی کی مورتی کو پرنام کیا۔ پھر بچے کو سینے سے لگائے چارپائی کے

پاس آئی پھر جوان بیٹے سے بولی۔ ''اٹھو یہاں سے، میں تمہارے چھوٹے بھائی کو سلاؤں گی۔''

رام مورتی نے بڑی کمزور سی آواز میں کہا۔ ''اسے میرے پاس سلا دو۔ مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا ہے۔''

ماں نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا پھر پریشان ہو کر بولی۔ ''تمہیں تو بخار ہے۔ یہ کب سے ہے؟ تم نے بتایا کیوں نہیں؟''

''کیا بتا دینے سے دوا آ جاتی؟ باپو گئے ہیں۔ پانچ روپے میں دال چاول آ جائے یہی بہت ہوگا۔''

مایا نے قریب آ کر اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''میونسپلٹی کے میدان میں جو کیمپ لگایا گیا ہے وہاں بخار کی بھی مفت دوا مل جاتی ہے۔''

وہ کراہتے ہوئے بولا۔ ''دیدی! میرے بازو سے ہاتھ ہٹاؤ۔ بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔''

مایا نے چونک پوچھا۔ ''کیا تمہارے اس بائیں بازو میں تکلیف ہے؟ کہیں بغل میں گلٹی تو نہیں ہے؟''

وہ بدستور کراہتے ہوئے بولا۔ ''پتا نہیں کیا ہے؟ بس تکلیف ہو رہی ہے۔ دل گھبرا رہا ہے۔''

مایا پلٹ کر گئی اور ایک زنگ آلود لالٹین اٹھا کر لے آئی۔ پھر لالٹین کی لو کو ذرا بڑھا کر بولی۔ ''اپنی قمیص اٹھاؤ۔ مجھے بغل دکھاؤ۔''

اس نے قمیص کو نچلے دامن سے بائیں بازو تک اٹھایا۔ لالٹین کی زرد روشنی میں بغل نمایاں ہوا۔ وہاں ایک گلٹی سی ابھری ہوئی تھی۔ مایا اور ان کی ماں شانتا بائی گھبرا کر اس سے دور ہو گئیں۔ طاعون زدہ شخص سے کوئی چھ میٹر دور رہے، تب بھی جراثیم ایک سے دوسرے تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس حساب سے ماں اور بہن کو چھ میٹر سے بھی زیادہ دور رہنا تھا۔ وہ

دونوں جھونپڑی سے باہر آ گئیں۔ کیونکہ جھونپڑی بہت چھوٹی تھی۔ باہر نکلنے کے بعد ہی اطمینان ہوا کہ جراثیم وہاں تک نہیں پہنچیں گے۔

اندر اندھیرا چھا گیا تھا۔ باہر بہن کے ہاتھ میں لالٹین تھی اور ماں کی گود میں بچہ تھا۔ وہ چھوٹے بیٹے کو محفوظ رکھنے کے لیے بڑے بیٹے سے دور ہو گئی تھی۔ یہ ایک المیہ تھا۔ دکھ بیماری کے وقت اپنے سگے قریب ہوتے ہیں، تیمارداری کرتے ہیں لیکن سگا بھائی، سگا بیٹا بیماری کے نام پر موت منتقل کر رہا ہو تو اس سے دور بھاگنا ہی پڑتا ہے اور دور بھاگنے کے بعد دوا نہیں کرائی جا سکتی، صرف دعا کی جا سکتی ہے لیکن ماں بیٹی پر ایسی بدحواسی چھا گئی تھی کہ وہ دعا کرنا اور بھگوان سے پرارتھنا کرنا بھی بھول گئی تھیں۔

دھرما نے دور سے آتے ہوئے آواز دی۔ ''اے تم دونوں باہر کیا کر رہی ہو؟ مجھے باہر ایک اور مل گیا تھا۔ میں نے اسے بھی مار دیا۔ دو کے حساب سے مجھے دس روپے ملے ہیں دس..........''

وہ خوشی سے بولتا ہوا قریب آیا۔ شانتا بائی نے رو کر کہا۔ ''میں پہلے ہی کہتی تھی، پاپ نہ کرو۔ اندر ہمارے مورتی بیٹے کو بیماری لگ گئی ہے۔''

وہ پریشان ہو کر بولا۔ ''کیا بکتی ہے؟ وہ بھوک سے کمزور ہو گیا ہوگا، بھگوان نہ کرے کہ اسے بیماری لگے۔''

مایا نے کہا۔ ''باپو! میں نے اس کے بائیں بغل میں گلٹی دیکھی ہے۔ اسے فوراً کیمپ ہسپتال پہنچانا ہوگا۔''

دھرما نے بے حد پریشان ہو کر بیٹی اور بیوی کو دیکھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ دیکھا جائے تو لوگوں کو شاذونادر ہی یقین آتا ہے کہ موت کبھی ان کے گھر آ سکتی ہے۔ اس نے بیٹی کے ہاتھ میں دس روپے رکھے۔ اپنی قمیص اتار کر اپنے منہ ناک کو آدھے چہرے تک لپیٹا پھر لالٹین لے کر اندر گیا۔ باہر ماں رو رہی تھی۔ مایا کی آنکھیں خشک تھیں۔ اکثر باغی آنکھیں خشک رہتی ہیں۔ بھگوان سے کوئی امید نہ رہے تو صدمے کے عالم میں بھی طنزیہ ہنسی

آتی ہے۔

وہ ہنس کر بولی۔ ''واہ، بھگوان نے کیا جیون دیا ہے۔ بھوکے رہنے کے بعد دس روپے ملے تو ساتھ میں بیماری بھی مل گئی۔''

ماں نے آنسو بھری آنکھوں سے گھور کر کہا۔ ''ایسے وقت چپ رہا کر۔ جان نہ جلایا کر۔ ہم انسان اکثر سمجھ نہیں پاتے کہ ہمیں کن کرموں کا پھل مل رہا ہے۔''

دھرما باہر آ گیا۔ لالٹین کی روشنی میں دور تک دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اسے فوراً ہسپتال لے جانا ہوگا مگر کیسے لے جاؤں؟ گاڑی کہاں ملے گی؟ مل بھی جائے تو کرایہ زیادہ مانگا جاتا ہے۔ یہ رکشا ٹیکسی والے بھی انسان کی مصیبتوں اور مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔''

دور تک گلی سنسان تھی۔ ایک گلی ہی کیا، پورا شہر ویران ہو گیا تھا۔ وہ سورت شہر کے مضافاتی علاقے میں تھے۔ شہر کے ہسپتالوں میں طاعون زدہ افراد کی بھرمار تھی۔ ہسپتال کے باہر بھی مریض پڑے رہتے تھے۔ مضافاتی علاقوں میں ریلیف کیمپ لگائے گئے تھے۔ بہت سے ڈاکٹر اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ گئے تھے اور جو ڈاکٹر بھاگ گئے تھے ان کے گھروں کو لوگوں نے لوٹ لیا تھا۔ تالے توڑ کر گھس گئے تھے اور انہیں نذر آتش کر دیا تھا۔ باقی ڈاکٹر اپنی جائداد کی سلامتی کے لیے رہ گئے تھے۔ مضافاتی کیمپوں میں کمپاؤنڈر اور نرسیں، ڈاکٹروں کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

دھرما دوڑتا ہوا دوسری گلی میں آیا۔ وہاں دیال کاکا کی جھونپڑی کے سامنے لکڑی کا ایک ٹھیلا رکھا ہوا تھا۔ دیال کاکا سبزی منڈی سے بیوپاریوں کا مال ٹھیلے پر لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتا تھا۔ دھرما نے دروازے پر دستک دے کر کہا۔ ''کاکا! باہر آؤ۔ میرا بیٹا بیمار ہو گیا ہے۔ مجھے اپنا ٹھیلا دے دو۔ میں اس پر بیٹے کو کیمپ لے جاؤں گا۔''

کیمپ کے ذکر پر دروازہ نہیں کھلا۔ بند دروازے کے پیچھے سے دیال کاکا نے کہا۔ ''دھرما! تجھے معلوم ہے کہ میں ٹھیلے پر سبزیاں لے جاتا ہوں۔ تیرے گھر کی بیماری

لے جاؤں گا تو یہ ٹھیلا میرے ہی گھر میں نہیں سیکڑوں گھروں میں بیماریاں پھیلاتا آئے گا۔ بھئی معاف کر دے۔ کسی دوسری گاڑی میں لے جا۔''

وہ بولا۔ ''دیکھو کاکا! ایسے مریضوں کو رکشا ٹیکسی میں بھی نہیں لے جاتے۔ ان کے لیے ایمبولینس ہوتی ہے مگر کیمپ والی ایمبولینس خراب پڑی ہے۔ مصیبت میں اپنے ہی کام آتے ہیں۔ میں یہ ٹھیلا لے جا رہا ہوں۔''

اندر سے آواز آئی۔ ''خبردار دھرما! میرے ٹھیلے کو ہاتھ نہ لگانا۔ میں دکانوں میں مال پہنچاتا ہوں۔ تیرے بیٹے کی بیماری نہیں پہنچاؤں گا۔ جا کوئی اور بندوبست کر لے۔''

ایک اندر سے دوسرا باہر سے چیخ چیخ کر بول رہا تھا۔ آس پاس کی جھونپڑیوں والے اپنے دروازوں سے نکل آئے تھے۔ ان میں سے کئی لوگ کہہ رہے تھے کہ وہ ٹھیلا رات کے وقت گلی میں پڑا رہتا ہے۔ اس پر طاعون زدہ مریض جائے گا تو ان کی گلی میں بھی جراثیم آئیں گے۔ سب ہی دیال کاکا کی تائید میں کہہ رہے تھے کہ ٹھیلے پر مریض نہیں جائے گا۔

دھرما نے ہاتھ اونچا کر کے ڈنڈا دکھاتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اس ڈنڈے سے دو چوہے مارے ہیں اور دس روپے کمائے ہیں۔ اس ڈنڈے میں جراثیم ہو سکتے ہیں۔ اگر کوئی مجھے ٹھیلا لے جانے سے روکے گا تو اسے اس ڈنڈے کا سامنا کرنا ہوگا۔ بولو، کون آئے گا مجھے روکنے کے لیے؟''

سب کو ہی چپ سی لگ گئی۔ کتنوں نے دروازے بند کر لیے۔ یہ اندیشہ تھا کہ وہ ڈنڈا لے کر ان کے دروازے پر دوڑا چلا آئے گا۔ اس نے ٹھیلے کے اگلے حصے کو اٹھایا۔ پھر اسے کھینچ کر اپنی جھونپڑی کی طرف لے جانے لگا۔

☆======☆======☆

۱۹۴۰ء میں جاپان نے طاعون کے جراثیم کو ہتھیار کے طور پر چین کے خلاف استعمال کیا تھا۔ موجودہ دور میں بھارت اٹیم بم اور اینٹی میزائل کے علاوہ جراثیمی ہتھیار بھی تیار کر رہا ہے۔ اس بات کا امکان ہے کہ جراثیمی ہتھیاروں کی تیاری کے دوران بد احتیاطی

کے باعث یہ وبا چوہوں تک پہنچی ہوگی۔ پھر چوہوں سے خود جراثیمی ہتھیار بنانے والی قوم تک پھیلی ہوگی۔

گڑھا کھودنے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس میں کسی کو گرایا جائے۔ بعض اوقات کھودنے والا خود گر پڑتا ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مکافات عمل ہے۔ طاعون کی وبا سب سے پہلے گجرات کے شہر سورت میں پھیلی اور بابری مسجد کے خلاف سب سے پہلا جلوس سورت سے نکلا تھا۔ اس شہر میں تین سو مسلمانوں کو شہید کیا گیا تھا۔ شیر خوار بچوں سے لے کر بوڑھوں تک کو بھڑکتی ہوئی آگ کے.........شعلوں میں جھونک دیا گیا تھا۔ پتا نہیں ہماری دنیا میں کیسی کیسی درندگی، فحاشی اور بے حیائی کے تماشے ہوتے ہیں۔ سورت شہر کی ایک شاہراہ پر رات کو ہندو غنڈوں نے فلیش لائٹس جلا کر مسلمان لڑکیوں کی باجماعت آبرو ریزی کی۔ تاریخ بتاسکتی ہے کہ دنیا کے کسی اور ملک میں ایسی کھلی اجتماعی بے حیائی کبھی ہو چکی ہے یا نہیں؟ مگر سورت شہر نے بے شرمی اور بے غیرتی کی یہ تاریخ رقم کردی۔

طبی حوالے سے طاعون کے چھوٹے چھوٹے جراثیم (پسو) چوہوں کی کھال میں پیدا ہوتے ہیں اور چوہوں کا خون چوس کر توانا ہوتے ہیں۔ ایسے چوہے انسانی آبادی میں ان جراثیم کو پھیلا دیتے ہیں۔ واقعہ صرف یہ نہیں ہے کہ طاعون کس طرح انسانوں کو ہلاک کر رہا ہے۔ اصل قابل غور بات یہ ہے کہ چوہوں کی کھال میں گھس کر خون چوسنے والے جراثیم کس طرح بھارت کا خون چوس رہے تھے؟

بھارت سے باہر آسمانوں میں پرواز کرنے والے تمام ائر انڈیا طیارے زمین پر کھڑے ہوئے تھے۔ دنیا کے تمام ممالک نے اپنے ہاں ان طیاروں کی آمد پر پابندیاں عائد کر دی تھیں اور کوئی غیر ملکی طیارہ ہندوستان میں داخل نہیں ہو رہا تھا۔ دنیا کا کوئی سیاح ادھر کا رخ نہیں کر رہا تھا۔ روزانہ اربوں روپے کا نقصان اس طرح ہو رہا تھا کہ بھارت کے تمام بحری جہاز مختلف بندرگاہوں پر رکے ہوئے تھے۔ برآمد کی جانے والی تمام اشیا گوداموں کے اندر اور باہر پڑی سڑگل رہی تھیں۔ بھارت دنیا میں چاول برآمد کرنے

والے بڑے ممالک میں سے ایک ہے اور چوہوں کی مرغوب غذا چاول ہے۔ چاولوں کے گوداموں میں چوہے ضرور ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ طاعون کی وبا ختم ہونے کے بعد بھی کتنے ماہ تک کوئی ملک بھارت سے چاول نہیں لے گا۔

سورت ایک صنعتی شہر ہے۔ یہاں ہیرے تراشنے کی صنعت کو روزانہ ۱۶ کروڑ روپے کا نقصان ہو رہا تھا۔ کیونکہ ہیرے تراشنے والے کاریگر طاعون کے خوف سے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔

دھرما نے ڈنڈا دکھا کر وارننگ دی تھی کہ اسے ٹھیلا لے جانے سے کوئی روکے گا تو وہ اس کا سر توڑ دے گا۔ اگر وہ کسی کا سر توڑ دیتا تو پولیس اسے گرفتار کرنے نہیں آتی۔ کیونکہ پولیس اسٹیشن بھی ویران تھے۔ گشت کرنے والے سپاہیوں کو یہ معلوم ہوتا کہ فلاں علاقے میں کوئی طاعون زدہ شخص ہے تو وہ ادھر کا رخ نہیں کرتے تھے۔ وکیلوں اور جج صاحبان نے بھی طاعون سے محفوظ رہنے کے لیے عدالتوں کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔

دھرما نے بیٹے کو کیمپ ہسپتال میں داخل کر دیا تھا۔ موبائل ہسپتال کے عملے نے ان کی جھونپڑی میں آکر جراثیم کش دوائیں اسپرے کی تھیں۔ اس کے باوجود محلے کے لوگ دھرما، شانتا بائی اور مایا کو اچھوت سمجھ کر ان سے دور دور رہتے تھے۔ وہ دال چاول خریدنا چاہتے تو دکان دار کا نوکر ان کی مطلوبہ چیزیں دور سڑک کے کنارے لے جا کر رکھتا تھا اور ان کی دی ہوئی رقم پر وہی جراثیم کش دوا اسپرے کرتا تھا۔ اس طرح کاغذ کے نوٹ ذرا بھیگ جاتے تھے پھر بعد میں خشک ہو جاتے تھے۔

شانتا بائی نے دھرما سے کہا۔ ''یہاں ہمارا جینا مشکل ہو گیا ہے۔ سب ہمیں اچھوت سمجھتے ہیں۔''

دھرما روز بیٹے کی خیریت معلوم کرنے کیمپ ہسپتال جاتا تھا۔ اس نے کہا۔ ''ہم اچھوت بھی ہو گئے اور ہیجڑے (خسرے) بھی۔ کتنے ہی ہیجڑے جن کو یہ بیماری لگ گئی ہے، انہیں ہسپتال میں داخل نہیں کیا جاتا ہے۔''

مایانے کہا۔ ''میں نے اخبار میں پڑھا ہے کہ بھارتی ہیجڑوں کی قومی کونسل کے سربراہ شریمتی کانتا بائی نے وزیراعظم نرسمہاراؤ کو تار کے ذریعے مطلع کیا ہے کہ سورت کے ہسپتالوں میں ہیجڑوں کو داخل نہیں کیا جارہا ہے۔ آخر ہیجڑے بھی انسان ہی ہیں، ان کا علاج کیا جانا چاہیے۔''

علاج تو کرنا ہی پڑا کیونکہ دھمکی دی گئی تھی کہ علاج نہ کیا گیا تو تمام طاعون زدہ ہیجڑے سورت شہر سے نکل کر پورے بھارت میں پوجا کے پرساد کی طرح جراثیم بانٹتے پھریں گے۔

یہی حال نچلے درجے کی طوائفوں کا تھا۔ وہ شہریوں کے گناہوں کو سمیٹ کر جگہ جگہ پھیلاتی پھر رہی تھیں۔ ہندو ڈاکٹروں کا دھرم اس وقت خطرے میں پڑتا تھا جب وہ بھنگیوں کا علاج کرتے تھے۔ ہندوؤں پر بھنگیوں کا سایہ بھی پڑ جائے تو وہ غسل ضرور کرتے تھے مگر اب وہ انہیں چھونے اور ان کا علاج کرنے پر مجبور تھے۔ کیونکہ وہ بھنگی پورے شہر کی صفائی کرتے تھے۔ وہ ہڑتال کرتے تو گندگی، غلاظت کے ساتھ چوہوں کی بھی تعداد بڑھتی جاتی۔

دھرما کے بیٹے کا مرض بڑھتا گیا۔ دوسرے ہی ہفتے میں اس نے آخری سانس لے لی۔ پھر اس کی چتا بھی جلا دی گئی لیکن مرنے کے بعد اسے مرگھٹ تک پہنچانا ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ محلے پڑوس کا کوئی شخص طاعون زدہ کی ارتھی کو کاندھا دینے کے لیے تیار نہیں تھا، مجبوراً یہ کام بھنگیوں سے لینا پڑا۔ جب چار بھنگی اس کی ارتھی لے جارہے تھے تو مایا کی خشک رہنے والی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ وہ جھونپڑی کے باہر کھڑی ہو کر چیخ چیخ کر محلے والوں سے پوچھ رہی تھی۔ ''کیا ہم سب ہندو جاتی کے لوگ ہیں؟ اگر ہندو نہیں ہیں تو کیا انسان بھی نہیں ہیں؟ تمہارے سامنے میرے بھائی کی لاش پر دوا چھڑکی گئی تھی۔ کسی کو بیماری لگنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ پھر بھی کسی نے ارتھی نہیں اٹھائی۔ یہ بھنگی تم سے مہان (عظیم) ہیں۔ میرے پتی نے مجھے گھر سے نکالا۔ آج تمہارے سلوک نے مجھے تمہارے دھرم سے

نکال دیا ہے۔ پہلے میں اپنی بدنصیبی کے باعث بھگوان سے بغاوت کرتی تھی۔ آج تم سے اور تمہارے دھرم سے نفرت کرتی ہوں۔ پتی نے طلاق دے کر آدھی جان لی۔ تم سب نے ہمیں اچھوت بنا کر مار ڈالا۔''

وہ چیخ رہی تھی اور رو رہی تھی۔ پھر چیختے چیختے چکرا کر گر پڑی۔ جوان بیٹے کی چتا جلنے کے بعد باپ کی کمر ٹوٹ گئی۔ ماں کا کلیجا پھٹ گیا۔ موت تو سب کو آتی ہے مگر کلیجا اس لیے پھٹا کہ بیٹے کی ارتھی کو بھنگی اٹھا کر لے گئے تھے۔

شام کو ماں باپ اور بیٹی نے اپنا مختصر سا سامان باندھا۔ پھر اسے اٹھا کر اس بستی سے نکل گئے جہاں انہیں اچھوت اور بھنگی بنا دیا گیا تھا، وہاں وہ رہ نہیں سکتے تھے۔ اب ایک نیا مسئلہ یہ تھا کہ رات کے اندھیرے میں انہیں چھپ چھپا کر وہاں سے نکلنا تھا۔ کیونکہ سرکاری طور پر سورت شہر سے باہر جانے والے تمام راستوں کی ناکا بندی کر دی گئی تھی۔ کسی سورتی باشندے کو اپنے ہی ملک کے کسی دوسرے علاقے میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اس شہر سے باہر جانے والی اور دوسرے علاقوں سے آنے والی تمام گاڑیاں بند کر دی گئی تھیں۔ سرکاری طور پر ایسا نہ کیا جاتا تب بھی متعدد شہروں کو سورت سے ملانے والی بسیں نہیں چل رہی تھیں۔ کوئی مسافر رشتے دار یا تاجر ادھر کا رخ نہیں کر رہا تھا۔

سورت سے چند کلومیٹر کے فاصلوں پر جتنے گاؤں اور شہر تھے وہاں کے لوگوں نے کمیٹیاں بنائی تھیں۔ ان کمیٹیوں کے رضاکار دن رات اپنے شہر یا گاؤں کے باہر دو یا چار کی تعداد میں پہرا دیتے تھے کہ سورت شہر کی سمت سے کوئی انسان تو کیا جانور بھی نہ آئے۔ اسے اپنے شہر یا گاؤں میں داخل ہونے سے پہلے ہی واپس بھگا دیتے تھے یا پھر اتنی پٹائی کرتے تھے کہ وہ خود بھاگنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

وہ رات کی تاریکی میں جارہے تھے۔ شانتا کی گود میں بچہ تھا۔ مایا کے بغل میں ایک چھوٹا سا بستر اور ہاتھ میں چھوٹی سی پوٹلی تھی۔ اس پوٹلی میں دو پیاز، تھوڑا سا اچار اور سوکھی روٹیاں تھیں۔ دھرما کے بغل میں ایک بڑی سی کپڑوں کی گٹھڑی اور سر پر ایک چھوٹا سا ٹین کا

صندوق تھا۔ ستاروں کی چھاؤں میں جنگل اور میدان کسی حد تک دکھائی دے رہا تھا۔ شانتا نے پوچھا۔ ''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

مایا نے کہا۔ ''میرا بھائی تو چتا میں جل کر پرلوک سدھار گیا۔ ہمارے لیے نہ عاقبت ہے اور نہ دنیا۔ اس زمین پر چلتے ہوئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ہمارا دیس بھارت ہے۔ پتا نہیں ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

دھرما نے سر گھما کر پیچھے آنے والی اور بڑبڑانے والی بیٹی کو دیکھا پھر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ''یہ ہمارا دیس ہے۔ ہم کہیں بھی جا کر رہ سکتے ہیں۔''

''کہیں نہیں رہ سکتے۔ جہاں جائیں گے، لوگ ہمارے سائے سے خوف زدہ ہو کر بھاگیں گے۔ بھاگنے والے ہمیں بھنگی سمجھیں گے اور جو دلیر ہیں، وہ ہمیں زہریلے سانپ سمجھ کر مار ڈالیں گے۔ ہم گڑگڑائیں گے کہ ہم تمہارے ہندو بھائی ہیں، بہن ہیں، بیٹیاں ہیں مگر کوئی ہم پر رحم نہیں کرے گا۔ بھگوان بھی یہ گواہی دینے نہیں آئے گا کہ ہم طاعون زدہ نہیں ہیں۔ ہم چوہے نہیں ہیں۔ ہمیں انسان سمجھا جائے۔''

شانتا نے کن انکھیوں سے دھرما کو دیکھا۔ پھر کہا۔ ''یہ ادھرمی (بے دین) ہو گئی ہے۔ ادھر بستی میں چیخ چیخ کر بھگوان کے اور ہندو جاتی کے خلاف بول رہی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ بیٹی کے اندر سے تیرا ادھرمی خون بولتا رہتا ہے۔''

وہ قریب ہو کر دھیمی آواز میں بولا۔ ''چپ کر، وہ سن لے گی تو پولیس والی کی طرح پوچھے گی کہ میں ادھرمی کیسے ہوں، کیا میری ذات اور تیری ذات الگ الگ ہے؟ اگر ہے تو بیٹی کیوں نہیں جانتی ہے؟''

شانتا بائی نے پھر وہی سوال کیا۔ ''مگر معلوم تو ہو کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''سوچا تو یہ ہے کہ بمبئی چلیں۔ وہاں محنت مزدوری کا کام مل جاتا ہے مگر وہ تین سو کلومیٹر دور ہے۔ ہاں مگر ناسک شہر پہنچ جائیں تو وہاں بس اڈوں پر ہزاروں مسافروں کی بھیڑ لگی رہتی ہے، کوئی نہیں پہچانے گا کہ ہم سورت سے آئے ہیں۔''

''مگر بابو! راستے میں کتنے ہی گاؤں اور چھوٹی بڑی بستیاں آئیں گی۔ وہاں والے چھان بین کریں گے۔ تھانہ قریب ہوگا تو مار پیٹ کر ہم سے سچ اگلوائیں گے۔''

رات کے وقت سفر کرنے کا فائدہ یہ تھا کہ دو چار گھروں سے لالٹین یا دیئے کی روشنی دکھائی دیتی تو سمجھ میں آ جاتا تھا کوئی گاؤں قریب آ رہا ہے۔ وہ تینوں راستہ بدل کر ایک لمبا چکر کاٹ کر کسی کی نظروں میں آئے بغیر آگے نکل جاتے تھے۔

لیکن غریب کسانوں کے گھروں میں رات بھر چراغ نہیں جلتے۔ تیل کی بچت کے لیے سوتے وقت بجھا دیتے ہیں۔ پتا نہیں کبھی چلتے اور کبھی تھک کر بیٹھتے کتنی رات گزر گئی تھی۔ بستیاں بھی تاریکی میں گم ہو گئی تھیں۔ جب انہوں نے کسی کی للکار سنی تو سہم گئے۔ تب پتا چلا کہ وہ بھٹک کر کسی بستی کے قریب آ گئے ہیں۔

دھرما نے بغل میں دبی ہوئی گٹھڑی زمین پر پھینک دی۔ تیزی سے پلٹ کر بیٹی کا بازو پکڑ لیا۔ پھر اسے جھنجوڑ کر بولا۔ ''مایا! ادھر جھاڑیوں کے پیچھے چلی جا۔ جلدی کر، جا یہاں سے...........''

''کیوں جاؤں؟ جو بھی ہے اسے آنے دو۔ ہم اسے سمجھائیں گے کہ...........''

باپ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''بحث نہ کر۔ اتنی رات کو للکارنے والا اکیلا نہیں ہوگا۔ میں بیٹی کی بے آبروئی یا بیٹے جیسی موت نہیں دیکھ پاؤں گا۔ تو نہیں جائے گی تو یہ باپ تیرے قدموں میں گر پڑے گا۔ موت سے پہلے شرم سے مر جائے گا۔''

وہ اسے دھکیلتا ہوا جھاڑیوں کی طرف لے جاتے ہوئے بولا۔ ''دیکھ یہاں کچھ بھی ہو جائے۔ منہ سے آہ تک نہ کرنا۔ میں تجھے تیرے مرے ہوئے بھائی کی قسم دیتا ہوں۔''

وہ اسے جھاڑیوں کے پیچھے دھکا دے کر شانتا کے پاس آیا پھر بولا۔ ''راستے بھر یہی دھڑکا لگا رہا کہ ہمیں طاعون زدہ چوہے سمجھ کر مارنے والے آئیں گے تو جوان بیٹی کا کیا بنے گا؟ پتا نہیں کون آ گیا ہے۔''

وہ للکارنے والا آوازیں دے رہا تھا۔ ''بھگو! دینو! چمن لال! ادھر آؤ۔ میں کچھ

آوازیں سن رہا ہوں۔"

دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔ آنے والوں میں ایک نے لالٹین پکڑی ہوئی تھی۔ دوسرے ہاتھ میں ایک کلہاڑی تھی۔ باقی دو کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں اور جس نے آواز دے کر بلایا تھا، اس نے ایک لانبا سا چاقو نکال کر کھول لیا تھا۔ پھر وہ سب لالٹین کی روشنی میں شانتا اور دھرما کی طرف آئے۔ ان دونوں سے دس بارہ گز کے فاصلے پر رک گئے اور اپنے اپنے چہرے پر یعنی منہ اور ناک پر کپڑا لپیٹنے لگے۔ پھر ایک پوچھا۔ "کون ہو تم دونوں؟"

دھرما نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔ "ہم جی مصیبت کے مارے ہیں۔"

لالٹین والے نے للکارا۔ "اے قدم نہ بڑھانا۔ وہیں دور رہو۔ تم دونوں اتر (شمال) سے آرہے ہو۔ سچ بتاؤ ادھر سورت سے آرہے ہو یا نہیں؟"

"نہیں جی۔ ہم تو جل گاؤں سے آرہے ہیں۔ بھائی کے گھر ناسک جارہے ہیں۔"

"جھوٹ بولتے ہو۔ جل گاؤں سے بسیں چلتی ہیں پھر پیدل کیوں جارہے ہو؟"

دھرما جھوٹ بول کر پھنس گیا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ جل گاؤں سے ناسک کے لیے بسیں چلتی ہیں۔ دوسرے نے پوچھا۔ "تم اندھیرے میں چھپ کر کیوں جارہے ہو؟ جبکہ تمہارے ٹین کے صندوق سے لالٹین بندھی ہوئی ہے۔"

"وہ جی۔ بات یہ ہے کہ لالٹین میں تیل نہیں ہے۔"

"سالا پکا جھوٹا لگتا ہے۔ ابھی معلوم ہو جائے گا۔ چل صندوق سے لالٹین اتار اور اسے الٹ کر دکھا۔ یہ خالی ہوگی تو تیل نہیں گرے گا۔"

شانتا اور دھرما پریشان ہو گئے۔ لالٹین میں تیل تھا۔ لالٹین کی ٹنکی کا ڈھکن کھول کر اتارتے تو تیل باہر آجاتا۔ دھرما نے صندوق سر پر سے اتارا پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "ہم مصیبت کے مارے ہیں ہمارا جوان بیٹا مر گیا۔ ہم نے اس کی چتا جلا دی ہے۔ چتا کے ساتھ اس کی بیماری بھی جل گئی ہے۔ ہم بیمار نہیں ہیں۔ ہمارے پاس ریلیف کیمپ کی

دوائیں ہیں۔"

ایک نے غصے سے دانت پیس کر کہا۔ "کھل گیا سالا۔ بولتا ہے دوائیں کھاتا ہے۔ ابے کتے! کیا تیرے سامان میں جراثیم نہیں ہوں گے؟ کیا سامان کو بھی دوائیں کھلاتا ہے؟ مارو سالے کو۔"

وہ سب منہ اور ناک ڈھانپ چکے تھے۔ جراثیم لگنے کا خطرہ نہیں تھا۔ انہوں نے قریب آکر دونوں کو لاٹھیوں سے مارا۔ دھرما نے گڑگڑاتے ہوئے کہا، وہ واپس چلا جائے گا۔ شانتا رو رو کر بولی۔ "میرا ایک ہی ننھا بیٹا رہ گیا ہے۔ ہمیں نہ مارو۔ ہم ابھی واپس چلے جائیں گے۔"

لیکن دھرما کے پہلے دو جھوٹ کھل گئے تھے۔ وہ یقین نہیں کر سکتے تھے کہ سورت سے بھاگ کر آنے والے پھر موت کی طرف جائیں گے۔ وہ راستہ بدل کر پاس والے گاؤں میں طاعون پھیلاتے جائیں گے۔ انہوں نے کلہاڑی اور چاقو سے حملے کیے۔ مایا جھاڑیوں میں چھپی ہوئی یہ منظر دیکھ رہی تھی مگر اس وقت برداشت نہ ہوا جب ماں باپ پر کلہاڑی اور چاقو سے حملے ہوئے۔ ننھا بچہ زمین پر گرا۔ اس پر ماں باپ کے خون کے فوارے پڑے۔ یہ منظر ناقابل برداشت تھا۔ وہ بے اختیار چیخنے ہی والی تھی۔ اسی لمحے میں کسی نے اسے پیچھے سے دبوچ کر اس کے منہ پر سختی سے ہاتھ رکھ دیا۔ پھر اس کے کان سے منہ لگا کر بولا۔ "خبردار! آواز نہ نکالنا۔ جب دوسروں کی جان بچانا ممکن نہ ہو تو ان کے ساتھ اپنی جان دینا حماقت ہے۔"

ادھر جھاڑیوں سے دور ماں باپ کا کام تمام ہو گیا تھا۔ بچے پر بھی ایک کلہاڑی پڑی تھی۔ طاعون کی دہشت ایسی ہی ہوتی ہے کہ چوہے کے بچے کو بھی کچل ڈالتے ہیں۔ وہ بچہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔

لیکن صرف مار ڈالنے سے بیماری کو پھیلنے سے روکا نہیں جا سکتا تھا۔ گشت کرنے والے موبائیل ہسپتال کے ڈاکٹر جاہل گنوار دیہاتیوں کو سمجھاتے تھے کہ چوہوں کو صرف

مارنا نہیں چاہیے انہیں جلانا بھی چاہیے۔ انہوں نے صندوق سے بندھی ہوئی لالٹین کو کھول کر اس کی ٹنکی کے ڈھکن کو کھولا۔ پھر اس کا تیل ماں باپ اور بچے پر چھڑکنے لگے۔ ایک نے ٹارچ روشن کی۔ پھر اپنی لالٹین بجھا کر اس کا تیل بھی ان کے سامان پر چھڑک دیا۔ اس کے بعد ماچس کی تیلی سے آگ لگا دی۔

وہ سامان کے ساتھ جلنے لگے۔ آدمی جلتا ہے تو پہلے اس کا لباس جلتا ہے اور جسم پر آبلے پڑتے ہیں۔ جب دھرما کی دھوتی جل گئی تو حملہ کرنے والوں نے چونک دیکھا۔ پھر ایک نے کہا۔ ''ارے یہ تو مسلمان ہے۔''

شانتا بائی کی مانگ میں سیندور تھا۔ ماتھے پر ٹیکا تھا۔ پھر صندوق کے اوپر گنیش جی کی چھوٹی سی مورتی بندھی ہوئی تھی۔ تمام آثار انہیں ہندو کہہ رہے تھے مگر دھرما کا بے لباس جلتا ہوا بدن اس کے مسلمان ہونے کی چغلی کھا رہا تھا۔

☆======☆======☆

مہاراشٹر کے قریب شری وردھن کے ساحل پر مچھیروں (ماہی گیروں) کی ایک چھوٹی سی بستی ہے، جس کا نام شیخاڑی ہے۔ دھرما اسی بستی کا ایک مچھیرا تھا لیکن وہاں اس کا نام مراد جان تھا۔ وہاں کئی مسلمان تھے۔ مچھیرے عموماً غریب ہوتے ہیں۔ بانسوں اور گھاس پھوس کی جھونپڑیوں میں رہتے ہیں لیکن شیخاڑی کے مچھیرے بڑے مالدار تھے۔ کیونکہ وہاں کے ساحل سے بڑے پیمانے پر سونے اور چاندی کی اسمگلنگ ہوا کرتی تھی۔

اسمگلنگ کرنے والے ٹائیگر میمن کہلاتے تھے۔ ان کا سربراہ رزاق میمن کا منجھلا بیٹا ابراہیم تھا، جو عرفِ عام میں مشتاق ٹائیگر کہلاتا تھا۔ اس نے مراد جان (دھرما) اور دوسرے مسلمان اور ہندو مچھیروں کو وارننگ دی تھی کہ اسمگلنگ کا راز کبھی بری اور بحری گشتی پولیس پر ظاہر نہ ہو۔ انہیں جو زیادہ رقم ملتی ہے اسے چھپا کر رکھیں یا بیویوں اور بچوں کو شہر بھیج کر انہیں اچھی زندگی گزارنے دیں لیکن خود ساحلی جھگیوں میں غریب محتاجوں کی طرح رہیں تا کہ پولیس والوں کو کبھی شبہ نہ ہو۔

مشتاق ٹائیگر کے پاس تمام مچھیروں کی تصاویر اور ان کی ہسٹری شیٹ موجود تھی۔ مراد جان کے متعلق بھی یہ معلوم تھا کہ اس کے بیوی بچے بمبئی میں ہیں اور اس نے بڑی بیٹی کی کہیں شادی کر دی ہے۔

لیکن مراد جان کی اصل ہسٹری یہ تھی کہ بیس برس پہلے وہ ایک ہندو لڑکی شانتا پر عاشق ہو گیا تھا۔ اس نے پہلی بار اسے گنپتی کے تہوار میں دیکھا تھا۔ ہندو مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے سب ہی بڑی عقیدت سے گنپتی بپا موریا کے نعرے لگاتے ہوئے ان کی مورتی کو ساحل کی طرف لے جا رہے تھے۔ اس بھیڑ میں شانتا بھی تھی۔ گنیش جی سے اس کی عقیدت اور پوجا کا انداز دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ پکی دھرم والی ہے۔ اس جیسے مسلمان کے آگے گھاس بھی نہیں ڈالے گی۔

یہ تو اپنی اپنی پسند ہوتی ہے۔ جس پر دل آ جائے، وہی دنیا کی سب سے حسین عورت لگتی ہے۔ شانتا سانولی سی تھی۔ کوئی گوری چٹی میم صاحب نہیں تھی۔ پھر بھی مراد جان کا دل اس کو مانگ رہا تھا۔ وہ ساحل سے واپسی پر بھی اس کا پیچھا کرتا رہا۔ اس کا گھر بھی دیکھ لیا۔ پھر سرائے میں آ کر سوچنے لگا، کیا کرے؟ اسے کیسے اپنا بنائے؟ وہ ہندو، یہ مسلمان۔ ایک ندی کے دو کنارے تھے۔

ندی کے دو کنارے اور ریلوے کی دو پٹریاں ساتھ ساتھ آخری سرے تک جاتی ہیں مگر کبھی مل نہیں پاتیں اور ملنے کے لیے مراد جان کا دل ضدی بچے کی طرح مچل رہا تھا۔ وہ تمام رات کروٹیں بدلتا رہا اور جاگتی آنکھوں سے اس کے سپنے دیکھتا رہا۔ صبح یہ تدبیر سوجھی کہ پہلے شانتا کے دل میں اپنے لئے جگہ بنائی جائے۔ اس کے اندر محبت کے جذبات بھڑکیں گے تو وہ مجبور ہو کر اسے قبول کر لے گی۔

دوسرے دن اس نے بازار سے دھوتی خریدی۔ اس سرائے کو چھوڑ دیا۔ ایک سستے ہوٹل کے کمرے میں آ کر پاجامے کی جگہ دھوتی پہن لی۔ سر پر نہرو کیپ پہن کر اس مندر کی سیڑھی پر آ گیا، جہاں وہ پوجا کے لیے آیا کرتی تھی۔ اس نے شانتا کا شکستہ سا مکان دیکھ کر

اندازہ کرلیا تھا کہ اس کے ماں باپ غریب ہیں اور اس کھنڈر جیسے مکان میں کرائے پر رہتے ہیں۔

وہ پوجا کر کے مندر کی سیڑھیاں اتری تو اس سے نظریں چار ہوئیں۔ وہ کترا کر جانے لگی۔ مراد اس کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ کبھی پلٹ کر دیکھ رہی تھی اور کبھی سر پر آنچل سنبھالتی ہوئی جا رہی تھی۔ پھر اپنے کھنڈر جیسے مکان میں جا کر نظروں سے اوجھل ہوگئی لیکن وہ مکان کے سامنے کھڑا رہا۔ اسے یقین تھا کہ جس طرح تعاقب کرتا آیا ہے اس کے نتیجے میں جوتے کھائے گا یا پھر محبوبہ کے اندر اپنے بارے میں تجسس پیدا کرے گا۔

جوتے نہیں پڑے اس لیے دل کہہ رہا تھا کہ وہ مکان کے اندر سے چھپ کر اسے دیکھ رہی ہوگی۔ بالکل فلمی سین ہو رہا تھا۔ اچانک بارش ہونے لگی۔ وہ بھیگ رہا تھا مگر اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ تب وہ نظر آئی۔ ٹوٹی ہوئی کھڑکی کا ایک پٹ ایک طرف کو جھول گیا تھا۔ وہ وہاں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر اندر سے کسی نے پکارا تو وہ چلی گئی۔

شام کے بعد رات کا اندھیرا پھیل گیا۔ وہ اندھیرے میں اسے نظر نہیں آ سکتا تھا۔ اس لیے ہوٹل کے کمرے میں چلا آیا۔ دوسری صبح پھر اس مکان کے سامنے آ گیا۔ وہ تھوڑی دیر بعد گھر سے نکلی۔ پھر اسے دیکھ کر دروازے پر ٹھٹک گئی۔ اسے کہیں جانا تھا ورنہ وہ واپس مکان میں جا کر چھپ جاتی۔ وہ ساڑھی کے آنچل کو سر پر درست کرتے ہوئے دروازے سے باہر آئی۔ پھر ایک طرف جانے لگی۔ وہ اس کے پیچھے کشاں کشاں جانے لگا۔ جانے والی کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ خاصی پریشان ہوگئی ہے، اگر کہیں دور جا رہی ہے تو اسے کسی بس میں بیٹھ کر جانا چاہیے تھا شاید غربت نے اسے بس کا کرایہ بچانے پر مجبور کیا تھا۔

آخر وہ ایک بیڑی فیکٹری کے اندر چلی گئی۔ ہندوستان میں بیڑی پینے والوں کی کثیر تعداد ہے۔ کتنے ہی شہروں میں بیڑی کی فیکٹریاں ہیں جہاں عورتیں کام کرتی ہیں۔ پتے تراش کر ان میں تمباکو بھر کر بیڑیاں تیار کرتی ہیں۔ یہ بھی غربت کا ثبوت تھا کہ وہ اپنا اور ماں باپ کا پیٹ بھرنے کے لیے تنہا محنت کرتی تھی۔

وہ شام کو فیکٹری سے نکلی۔ دوسری عورتیں بسوں میں سوار ہو کر جا رہی تھیں۔ وہ پیدل جانے لگی۔ مراد جان تیزی سے چلتے ہوئے ذرا قریب آ کر بولا۔ ''سنو، میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

شانتا نے پلٹ کر نہیں دیکھا مگر اس کی چال سُست پڑ گئی۔ وہ بولا۔ ''میں تمہیں کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں اور ہر روز تم نئی نئی سی لگتی ہو، میرا دل کرتا ہے، تمہیں روز دیکھتا رہوں۔''

شانتا کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ پیچھے سے بہار کا جھونکا آ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ ''میری التجا ہے کہ تمہیں دیکھا کروں تو چھپا نہ کروں۔ تمہارے چھپنے سے میری آنکھوں کی روشنی چلی جاتی ہے۔ پھر کچھ نظر نہیں آتا۔''

آہ! ایسی باتیں کبھی کسی نے اس سے نہیں کی تھیں۔ وہ جوان تھی، اس کی آنکھوں میں بھی سپنے تھے مگر یہ سپنے ٹوٹ جاتے تھے۔ جب کہیں سے رشتہ آتا تھا اور جہیز نہ ہونے کے باعث لڑکے والے واپس چلے جاتے تھے تو یہ طعنے ملتے تھے کہ لڑکی میں کوئی عیب ہوگا، بدنامی ہونے لگی تھی کہ وہ منحوس ہے یا پھر چال چلن خراب ہے۔

وہ چلتے چلتے رک گئی پھر بولی۔ ''میں نہیں جانتی تم کون ہو؟ مگر بھگوان کے لیے میرے چال چلن کو مشکوک نہ بناؤ۔''

''میں تمہیں بدنام نہیں کرنا چاہتا۔ تمہیں اپنے گھر کی عزت بنانا چاہتا ہوں۔''

''میں کسی کے گھر کی عزت نہیں بننا چاہتی۔ کارخانے کی مشین میں میرے پتا جی کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ اس لیے میں مزدوری کرتی ہوں، اپنے ماں باپ کا سہارا ہوں۔''

''پھر تو تم دیوی ہو۔ میں پہلے تم سے پیار کرتا تھا۔ اب پوجا کروں گا۔ میرا کوئی گھر نہیں ہے اور تم اپنا گھر چھوڑنا نہیں چاہتیں۔ ایسے میں ہم سب مل کر ایک گھر بنا سکتے ہیں۔ میں تمہارے ماں باپ کی خدمت کرتا رہوں گا۔''

''ایسا ہے تو میرے گھر آؤ، گھر میں مانگو گے تو رشتہ ملے گا۔ باہر مانگنے سے بھیک بھی

نہیں ملتی۔"

ان دنوں شیخاڑی میں ٹائیگر میمن کا گروہ نہیں تھا۔ کبھی کبھی کوئی گروہ اسمگلنگ کا مال ان کے ساحل پر اتارتا تھا تو اچھی خاصی رقم مل جاتی تھی۔ ورنہ سمندر میں جا کر مچھلیاں پکڑتا تھا۔ اگر وہ خود کو شیخاڑی کا ماہی گیر بتاتا تو کبھی یہ بھید کھل جاتا کہ وہ مسلمان ہے۔ اس نے شانتا کے ماں باپ سے ملاقات کی۔ انہیں بتایا کہ وہ دنیا میں اکیلا ہے۔ بمبئی سے دور اُلہاس نگر کی مچھلی مارکیٹ میں کام کرتا ہے۔ اگر شانتا سے شادی ہو جائے تو وہ ماں باپ کے پاس ہی رہے گی اور وہ ہفتے میں دو دن کے لیے اُلہاس نگر سے آیا کرے گا۔

اپاہج باپ نے کہا۔" بیٹی کو میکے سے وداع کرنا چاہیے مگر یہ ہمیں چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی۔ ویسے جب بھی جانا چاہے گی تو ہمیں خوشی ہوگی۔ اگر تم دونوں راضی ہو تو شبھ گھڑی دیکھ کر بیاہ کر دیا جائے گا۔"

پنڈت نے شبھ گھڑی سات دنوں کے بعد بتائی۔ ان سات دنوں میں وہ اور شانتا ایک دوسرے سے ملتے رہے اور ایک دوسرے سے قریب تر ہوتے رہے۔ مراد جان نے پانچویں دن کہا۔" شانتا! میں تم سے ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں کہتے ہوئے ڈرتا بھی ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولی۔" تم مجھ سے ڈرتے ہو؟ کیا مجھے پرائی سمجھتے ہو؟"

" اپنا سمجھتا ہوں اس لیے تمہیں دھوکا نہیں دینا چاہتا۔"

" دھوکا؟ کیسا دھوکا؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔" میرا نام دھرم ویر نہیں ہے۔ میرا نام مراد جان ہے۔ میں مسلمان ہوں۔"

وہ اسے سنجیدگی سے دیکھ کر بولی۔" دھرما! ایسا مذاق نہ کرو۔ اپنے دھرم کی جگہ دوسرے دھرم کا نام نہ لو۔"

" میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ شادی کے بعد یہ بھید کھلے گا اس لیے پہلے سے سچ بول

رہا ہوں؟"

" یہ کیسا سچ ہے کہ دل اور دماغ پر اپنی حکومت کرنے کے بعد اپنی اصلیت بتا رہے ہو؟"

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ رونے لگی، مراد نے کہا۔" میری اس سچائی کو سمجھو کہ میں نے دھوکا نہیں دیا ہے۔ شادی سے پہلے تمہیں سچ بتا دیا ہے۔"

" سچ وہ ہوگا جب مجھ سے سچی محبت کرو گے۔"

" کیا تمہیں شبہ ہے؟ مجھے آزما کر دیکھ لو۔ میں محبت میں ثابت قدم رہوں گا۔"

" تو پھر دھرما ہی رہو۔ اپنا مذہب چھوڑ کر میرا دھرم قبول کر لو۔ ہمیشہ دھرم ویر رہو۔"

" یہ ضروری تو نہیں ہے کہ اپنا مذہب، اپنا ایمان چھوڑ دوں۔ بھارت میں سیکولرازم ہے۔ یہاں ہندو مسلمان سے اور مسلمان ہندو سے، سکھ عیسائیوں اور عیسائی بھی ہندوؤں سے شادیاں کرتے ہیں۔ پھر تمہیں کیوں اعتراض ہے؟"

" مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔ میرا دل گوارا نہیں کرتا کہ بھگوان کے سامنے سر جھکاؤں اور مسلمان کے ساتھ زندگی گزاروں۔"

" اپنے دل کو سمجھاؤ، ذہن کو اس سیکولرزم کی طرف مائل کرو جو اس دیس میں ہے۔ پرسوں ہماری شادی کا مہورت نکالا گیا ہے، تم کل شام تک کوئی فیصلہ کر لو۔"

وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے لیکن صرف چوبیس گھنٹوں کی جدائی نے شانتا کو تڑپا کر رکھ دیا۔ وہ دوسری شام کو بولی۔" فیصلہ تمہارے حق میں ہے مگر میری ایک بات مان لو۔ مسلمان رہو مگر ظاہر نہ کرو۔ مہاراشٹر میں شیوسینا کا بہت زور ہے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ میں نے ایک مسلمان سے شادی کی ہے تو وہ ہم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

" یہ تو دوغلی حرکتیں ہیں۔ ہندو جنتا دل ہو یا شیوسینا ہو، وہ ہندو مسلمان کی شادی پر آگ بگولا ہو جاتے ہیں اور بھارتی حکومت پوری دنیا میں سیکولرزم کا ڈھنڈورا پیٹتی رہتی ہے۔"

وہ بولی۔ ''کیا کیا جائے؟ دیس کے مطابق بھیس بدلنا اور وقت کے مطابق چال بدلنی پڑتی ہے۔ حالات سے سمجھوتا کرو۔ بدستور خود کو دھرم ویر ظاہر کرتے رہو۔ میرے سوا کبھی کسی کو تمہارے مسلمان ہونے کا علم نہیں ہوگا۔''

اس نے شانتا کی محبت میں سمجھوتا کر لیا۔ شادی ہوگئی، شادی کے بعد شانتا نے کہا۔ ''ہمارے لوگوں کو دکھانے کے لیے مندر چلا کرو۔ پوجا کیا کرو، تم کمرے کے اندر مجھے نماز پڑھنے کو کہو گے تو انکار نہیں کروں گی۔''

دھرما نے اسے خوش کرنے کے لیے اور لوگوں کو دکھانے کے لیے مندر جا کر پوجا کی۔ گھر آ کر شانتا نے کہا۔ ''اب تم چاہو تو مجھے نماز پڑھا سکتے ہو۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ''تم نہیں پڑھ سکو گی۔''

''ایسی کیا مشکل ہے؟ کیوں نہیں پڑھ سکوں گی؟''

''نماز پڑھنے کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے اور اسلام قبول کرنے کے لیے کلمہ پڑھنا لازمی ہے۔''

مجھے کلمہ پڑھاؤ میں پڑھ لوں گی۔''

''نہیں شانتا! اسلام دل سے قبول کیا جاتا ہے۔ یہ دکھاوے اور نمائش کی چیز نہیں ہے۔ کسی کو نمائش کے طور پر یا جبراً کلمہ پڑھانا ممنوع ہے۔ دین سلام کو دل سے قبول کیا جائے تب اسے کلمہ پڑھا دیا جاتا ہے۔ رہنے دو، تمہارا دھرم تمہارے ساتھ، میرا دین میرے ساتھ۔''

پھر وہ اسی طرح زندگی گزارنے لگے۔ صرف شانتا کو اس کی اصلیت معلوم رہی۔ وقت گزرتا گیا۔ پہلے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ شانتا نے اس کا نام مایا دیوی رکھا۔ مراد نے کہا۔ ''اولاد باپ سے پہچانی جاتی ہے۔ یہ میری بیٹی ہے۔''

''ضرور ہے مگر دنیا والوں کے لیے دھرما کی بیٹی ہے۔ مراد جان کی نہیں۔''

''میں مانتا ہوں، جب دو مذہبوں کی کھچڑی پکتی ہے تو ہانڈی سے نکل کر کچرا بن

جاتی ہے۔ میں دعا کروں گا کہ اولاد پر میرا خون اثر کرے۔''

مایا کے دو برس کے بعد رام مورتی پیدا ہوا۔ پھر انہوں نے خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کیا۔ مراد جان نہیں چاہتا تھا کہ ہندو اولاد پیدا کرے۔ ایک بچہ تو ایسا ہو، جو اس کا اپنا ہو اور مسلمان ہو لیکن صرف چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ عمل میں لڑکھڑاہٹ پیدا ہو تو اس کا نتیجہ ہمیشہ گڑبڑاتا ہے۔

مراد جان کے لیے وہ سب سے زیادہ پچھتاوے کا دن تھا جب اس کی بیٹی مایا کی شادی ایک ہندو کندن لال سے ہوئی۔ اگر بیٹی ایک مسلمان ماں سے جنم لیتی تو ایک مسلمان کی شریک حیات بن کر میکے سے جاتی۔ پھر وہ بھارت میں تھا۔ شانتا سے کئے ہوئے وعدے سے پھر کر ڈنکے کی چوٹ پر خود کو مسلمان ظاہر کر کے مایا کو اپنی مسلمان بیٹی نہیں کہہ سکتا تھا۔ تعصب کا زہر اتنی شدت سے پھیلا ہوا تھا کہ متعصب اور انتہا پسند ہندو مایا کا مذہب بدلتے ہی اسے کبھی زندہ نہ چھوڑتے۔

مراد جان کے پچھتاوے پر اتنا ہی کہا جا سکتا تھا کہ۔ ''ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا۔''

مایا سسرال میں سکھی نہ رہ سکی۔ دو تین برسوں میں ہی سسرال والے طعنے دینے لگے کہ میکے سے اپنی کوکھ میں زہر لے آئی ہے۔ اولاد کی بنیاد پڑنے سے پہلے ہی اسے مار ڈالتی ہے۔ چوتھے پانچویں برس مایا ذہنی مریضہ سی بن گئی تھی۔ کپڑے کی ایک گڑیا بنا کر سینے سے لگائے رکھتی تھی۔ جب کمرے میں کوئی نہ ہوتا تو اسے ساڑھی کے سائے میں چھپا کر یوں سینے سے لگاتی جیسے اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہو۔

مراد جان کو بیٹی کی ذہنی اذیت کے بارے میں بہت کم معلوم ہوتا تھا۔ اب وہ شانتا اور بچوں سے دور شیخاڑی میں رہتا تھا۔ مہینے میں ایک بار ان سے ملنے جاتا تھا کیونکہ شیخاڑی کے ساحل پر ٹائیگر میمن کا گروہ باقاعدہ اسمگلنگ کے لیے اڈا بنا چکا تھا۔ شری وردھن کا ساحل تقریباً ۶۰ میل تک پھیلا ہوا تھا۔ کوسٹ گارڈز اور بحری پولیس والے انہیں

رنگے ہاتھوں گرفتار کرنے میں ناکام رہے تھے۔ شیخاڑی کے مچھیروں سے کچھ اگلوانے کی کوششیں کرتے تو مچھیرے کہتے تھے کہ یہاں کے ساحل پر سونا چاندی اسمگل ہو کر آتا تو ہم گھاس پھوس کی جھگیوں میں نہ رہتے۔ وہاں کا ہر مچھیرا جانتا تھا کہ اس گروہ کا سربراہ مشتاق ٹائیگر بڑا ہی سفاک قاتل ہے۔ ایک تو انہیں اپنی جان عزیز تھی دوسرے آمدنی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔ ان کے بیوی بچے شہروں میں اچھی زندگی گزار رہے تھے۔

ایسے ہی وقت بھارتی سیاست میں ہلچل سی پیدا ہوئی۔ ملک کے ڈیڑھ ارب ڈالر کے مالی اسکینڈل پر قابو پانے میں حکومت بری طرح ناکام رہی۔ اس اہم معاملے کا تعلق برسراقتدار سیاست دانوں اور اسٹاک ایکسچینج کے بروکروں سے تھا۔ انہوں نے غیر قانونی طریقوں سے حاصل کئے گئے قرضوں اور حصص کی قیمتوں کو بے انتہا بڑھا دیا تھا۔ جب اس اسکینڈل کا انکشاف ہوا تو حصص کی مارکیٹ بیٹھ گئی اور بھارتی سرمایہ کاروں کو ۲ارب ڈالر کا نقصان اٹھانا پڑا۔ اپوزیشن نے پارلیمنٹ کا بائیکاٹ کیا۔ وزیر مالیات پر الزامات عائد کئے۔ صنعت کاروں نے ہڑتال کی دھمکی دی تو حکومت کے بڑے بڑے مشیروں نے کہا کہ ''را'' تنظیم کے تعاون سے مذکورہ اسکینڈل کا رخ کسی دوسری طرف موڑ دیا جائے۔

مراد جان عرف دھرما اور اس کی بیٹی مایا کی روداد کا پس منظر پیش کرنے کے لیے لازمی ہے کہ پہلے ''را'' تنظیم کی مختصر سی معلوماتی ہسٹری پیش کر دی جائے۔

''تقریباً ۲۳۱۵ سال پرانے ارتھ شاشتر کے اصولوں پر ''را'' تنظیم کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔

مہاراجا اشوک سمراٹ کے ایک نہایت ہی عیار وزیر با تدبیر چانکیہ نے ان اصولوں میں مزید عیارانہ تبدیلیاں کیں۔ موجودہ دور کی فلم انڈسٹری کے سب سے مشہور مقبول اور باکمال فنکار دلیپ کمار ایک فلم میں اس چانکیہ کا رول ادا کرنے والے تھے اور چانکیہ کی طرح اپنا سر منڈوانے کے لیے راضی ہو گئے تھے لیکن یہ فلم پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ شاید دلیپ کمار صاحب کو عقل آ گئی تھی یا پھر ''را'' کے عہدے داروں نے اس فلم کی شوٹنگ روک

دی تھی۔

چانکیہ یا موجودہ ''را'' کے مطابق طاقت ایک ایسا حربہ ہے، جس کے ذریعے جو چاہے حاصل کیا جا سکتا ہے اور حاصل کرنے کے لیے پہلے خوش بیانی سے کام لو۔ مدلل گفتگو سے قائل کرو ناکامی ہو تو دھونس جماؤ یا دولت سے خریدو۔ حالات کے مطابق کروٹ بدلو۔ کبھی ہمدردی یا رحم کا جذبہ بیدار کرو۔ یا پھر جبر سے حاصل کر لو۔ ٹارگٹ حاصل کرنا ہے لہٰذا حاصل کرنے کے لیے غلط پروپیگنڈا اور جھوٹی افواہیں پھیلاؤ۔

یوں تو ''را'' ۱۹۴۷ء میں قائم کی گئی تھی لیکن مسز اندرا گاندھی نے ۱۹۷۰ء میں ''را'' کو پہلے سے زیادہ جدید انداز میں متحرک بنا دیا اور اسے ہدایت دی کہ وہ سب سے پہلے پڑوسی ملکوں کو کمتر بنانے اور انہیں دنیا کی نظروں سے گرانے کے لیے عالمی رائے عامہ کو اپنے حق میں مستحکم کرے۔

اگست ۱۹۹۴ء میں بھارتی سرمایہ کاروں کو جو ۲ارب ڈالر کا نقصان ہوا اور بھارتی حکمران شدید مشکلات میں گرفتار ہوئے تو بڑی جلد بازی میں اس کا سیاسی رخ پاکستان کی طرف موڑ دیا۔

چونکہ دو ارب ڈالر کا گھپلا اسٹاک ایکسچینج سے ہوا تھا اس لیے بمبئی کے اسٹاک ایکسچینج میں ہونے والے بم دھماکوں سے اس کی کڑی ملائی گئی۔ یہ دھماکے ۱۲ مارچ ۱۹۹۳ء کو ہوئے تھے۔ اس کے ایک برس اور تقریباً ۵ ماہ بعد بھارتی وزیر داخلہ ایس بی چاون نے انکشاف کیا کہ بمبئی بم دھماکوں کے بڑے ملزم یعقوب عبدالرزاق میمن کو دہلی کے ریلوے اسٹیشن سے گرفتار کر لیا گیا ہے اور یہ یعقوب عبدالرزاق میمن پاکستانی ہے۔ اس کے قبضے سے پاکستانی پاسپورٹ اور پاکستانی شناختی کارڈ برآمد کئے گئے ہیں۔

بھارتی وزیر داخلہ کا یہ بیان دھماکا خیز تھا۔ نرسمہا راؤ بڑے زور وشور سے امریکی صدر اور انتظامیہ کو قائل کرنے لگے کہ پاکستان کو دہشت گرد ملک قرار دیا جائے۔ بھارتی حکمران ۲ارب کا نقصان اٹھانے والوں کو، اپوزیشن کو اور پریس کو یہ یقین دلانے لگے کہ

پاکستانی دہشت گردوں نے بھارت کی موجودہ حکومت کی ساکھ بگاڑنے اور ملک میں انتشار پیدا کرنے کے لیے بمبئی میں بم کے دھماکے کیے ہیں۔

بھارتی پروپیگنڈا مشینری نے اس ڈرامے کو کامیاب بنانے کے لیے پاکستان کے خلاف کچھ اور ثبوت فراہم کرنا چاہے کیونکہ یعقوب میمن کے سلسلے میں جن پاسپورٹ اور شناختی کارڈ وغیرہ کو ثبوت بنایا تھا، وہ جعلی ثابت ہو سکتے تھے لہٰذا انہوں نے اس ڈرامے کی ابتدا شری وردھن کے علاقے شیخاڑی کے ساحل سے کی، جہاں مراد جان عرف دھرما ایک مچھیرے کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔

مذکورہ پروپیگنڈا مشینری نے پاکستانی خفیہ ادارے ''آئی ایس آئی'' پر تخریب کاری کا الزام لگایا کہ آئی ایس آئی نے ایک مشہور اسمگلر داؤد ابراہیم کو بمبئی دھماکوں کے لیے ۲۰ کروڑ روپے دیئے۔ اس خطیر رقم کے عوض داؤد ابراہیم نے ۴۰۰۰ کلو آر، ڈی، ایکس جیسے تباہ کن مادے کو مشتاق ٹائیگر کے ذریعے شیخاڑی کے ساحل پر پہنچایا پھر وہاں سے اس تباہ کن مادے آر ڈی ایکس کے ۵۹ ڈبے ٹرکوں کے ذریعے بمبئی پہنچا دیے۔

پروپیگنڈا مشینری نے یہ بات بھی پھیلائی کہ ''را'' کے جاسوسوں نے میمن برادران کے دفاتر پر چھاپے مارے، وہاں شیخاڑی کے تمام مچھیروں کی فائلیں دستیاب ہوئیں اور انکشاف ہوا کہ وہ مچھیرے نہیں، میمن برادران کے کارندے تھے۔ فائلوں میں ان مچھیروں کی تصاویر بھی تھیں۔ مشتاق ٹائیگر نے اپنے کارندوں کو بروقت اطلاع دی کہ وہ عارضی طور پر کہیں روپوش ہو جائیں۔ جن شہروں میں ان کے بیوی بچے ہیں، انہیں وہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے۔ ''را'' نے ان تمام کارندوں کے بینک اکاؤنٹ سیل کر دیئے ہیں۔ لہٰذا کوئی اپنے اکاؤنٹ سے رقم نکالنے کے لیے کسی بینک میں نہ جائے۔

مراد جان شیخاڑی سے فرار ہو کر بیوی بچوں کے پاس پہنچا تو وہاں اس کی بیٹی مایا بھی تھی۔ مصیبتیں چاروں طرف سے آتی ہیں۔ پتا چلا کہ اس کے پتی کندن لال نے اسے بچے نہ پیدا کرنے کے جرم میں طلاق دے دی ہے۔ باپ نے بیٹی کو گلے لگا کر تسلیاں دیں

''بیٹی! فکر نہ کر۔ ابھی تیرا باپ زندہ ہے۔ تو کسی کی محتاج نہیں رہے گی۔ ہم اس شہر سے کہیں دور چلے جائیں گے۔''

شانتا نے پوچھا۔ ''ہم یہاں سے کیوں جائیں گے؟ کہاں جائیں گے؟''

''ہم مچھیروں پر بمبئی کے بم دھماکوں کا الزام لگایا گیا ہے۔ پولیس اور جاسوس مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ ہمیں راتوں رات یہاں سے نکل جانا ہوگا۔ فوراً ضروری سامان باندھنا شروع کر دو۔''

مایا اور رام مورتی سامان باندھنے لگے۔ مراد نے شانتا کو دوسرے کمرے میں لے جا کر سرگوشی میں کہا۔ ''تم سے کوئی بات چھپی نہیں ہے۔ اسمگلنگ سے جو کمائی ہوئی تھی، وہ ہم نے بینک میں رکھی تھی مگر اب ہم اس بینک سے ایک پیسہ بھی نہیں نکال سکیں گے۔ ہم میں سے جو بھی چیک لے کر وہاں جائے گا، پولیس اسے گرفتار کر لے گی۔''

شانتا نے پریشان ہو کر کہا۔ ''وہاں ہمارے لگ بھگ اسّی ہزار روپے ہیں۔ یہ کیسی مصیبت آئی ہے کہ ہم اپنی رقم نہیں نکال سکیں گے؟''

''ویسے تو ہم بالکل کنگال ہو گئے ہیں مگر ہمارے ٹائیگر صاحب اوپر والوں سے کچھ لین دین کر کے یہ معاملہ ختم کر دیں گے۔ جب ہم پر سے کیس ختم ہو جائے گا تو پھر بینک والی رقم نکال سکیں گے۔''

''مگر یہ کیس کب ختم ہوگا؟''

''یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔''

شانتا نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''کتنی بار کہا ہے، اپنے خدا اور رسول کا نام زبان پر نہ لاؤ دوسرے کمرے میں مایا اور مورتی ہیں۔ وہ سنیں گے تو کیا سوچیں گے۔''

وہ شانتا کا ہاتھ ہٹا کر بولا۔ ''خدا اور رسول کا نام میری گھٹی میں پڑا ہے۔ یہ زبان پر نہ آئے مگر ذہن میں اور ضمیر میں رہتا ہے۔ پھر بھی تم برسوں سے دیکھ رہی ہو کہ میں بند کمرے میں صرف تمہارے سامنے اپنے دین ایمان کو یاد کرتا ہوں۔''

وہ شکست خوردہ انداز میں چارپائی کے سرے پر بیٹھ گئی، پھر بولی۔ ''میرے پاس کل تین ہزار روپے ہیں، پتانہیں تمہارے ساتھ کہاں کہاں چھپتے پھرنا ہوگا۔ یہ تین ہزار کہاں تک ساتھ دیں گے۔''

''میرے پاس دو ہزار ہیں۔ فکر نہ کرو، ہم دور کہیں چھوٹے سے شہر میں جا کر رہیں گے۔ میں محنت مزدوری کر کے روزی حاصل کروں گا۔''

''کیسے مزدوری کرو گے۔ تمہاری تصویر دوسرے شہروں کے تھانوں میں پہنچا دی گئی ہوگی۔''

''میں داڑھی مونچھ بڑھا لوں گا۔ سر کے بال منڈوالوں گا یا بالکل چھوٹے کرالوں گا۔ پتانہیں یہ جاسوس لوگ کس طرح میک اپ کرتے ہیں اور چہرے بدل لیتے ہیں۔ ویسے اللہ بڑا کارساز ہے۔ ٹائیگر صاحب کی فائل میں اور پولیس کے ریکارڈ میں میرا نام مراد جان ہے۔ میرے مسلمان ہونے کے باعث تمہارا ہندو خاندان محفوظ رہے گا۔''

''کیوں میرا خاندان تمہارا نہیں ہے؟ میرے بچے تمہارے نہیں ہیں؟''

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ ''تم سب میرے ہو مگر سیکولرزم کا دعویٰ کرنے والے یہ سننا بھی برداشت نہیں کریں گے کہ ایک مسلمان کا خون ایک ہندو کنبے کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ میں مستقل دھرم ویر عرف دھرما بن کر رہوں گا تو پولیس والے مراد جان کو تلاش کرتے رہیں گے۔''

پولیس والوں کا کام مجرموں کو پکڑنا ہے، اگر اصل مجرم نہ پکڑے جائیں تو بے گناہوں کو پکڑ کے خانہ پری کرنی پڑتی ہے۔ مراد جان عرف دھرما اپنی بیوی، بیٹی اور جوان بیٹے کے ساتھ چلا گیا لیکن پولیس والوں نے دوسرے دن بمبئی فلم انڈسٹری کے ہر دل عزیز اداکار سنجے دت کو گرفتار کرلیا۔

سنجے دت کے متعلق مشہور ہے کہ اسے شکار کھیلنے اور شکاری رائفلیں جمع کرنے کا جنون کی حد تک شوق ہے۔ اس کے پاس جتنے ہتھیار تھے، ان کے باقاعدہ لائسنس تھے۔

صرف ایک رائفل ''اے کے ۵۶'' کا لائسنس اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ یہ غیر قانونی ہتھیار رکھنا نہیں چاہتا تھا لیکن کچھ عرصہ پہلے فلم ''صنم'' کی شوٹنگ ہو رہی تھی جس کے پروڈیوسر سمیر ہنگوڑا اور حنیف کاڈا والا تھے۔ انہوں نے وہ رائفل سنجے کو امانت کے طور پر رکھنے کو دی۔ سنجے نت نیا اسلحہ دیکھ کر بچوں کی طرح خوش ہو جاتا تھا۔ اس نے شوق سے مجبور ہو کر اسے رکھ لیا۔

اس دوران بمبئی میں ہندو مسلم فسادات بڑے پیمانے پر شروع ہو گئے تھے۔ ان باپ بیٹے نے یعنی سنیل دت اور سنجے دت نے فسادات کے دوران بے شمار مسلمانوں کی جانیں بچائی تھیں اور فساد سے متاثرہ افراد کے لیے کیمپ لگائے تھے۔ یہ ان باپ بیٹے کی انسان دوستی تھی، جو انتہا پسند ہندوؤں کو پسند نہیں آئی۔ شیو سینا کے سربراہ بال ٹھاکرے اور مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ نے الزام لگایا کہ بمبئی کے مسلمانوں نے بابری مسجد کو شہید کیے جانے کا انتقام لینے کے لیے بمبئی میں اتنے بڑے پیمانے پر فسادات کرائے ہیں اور ان مسلمانوں کی پشت پناہی سنیل دت اور سنجے دت کر رہے ہیں۔

سنجے نے حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے فلم کے پروڈیوسر سمیر ہنگوڑا اور حنیف کاڈا والا کو فون کیا کہ وہ اپنی رائفل ''اے کے ۵۶'' واپس لے جائیں لیکن دونوں نے اسے واپس لینے سے انکار کر دیا۔ امانت کے طور پر دی ہوئی چیز واپس نہ لینے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ باپ بیٹے کو پھانسنے کی سازش پہلے سے ہو رہی تھی۔ سنیل دت کانگریس پارلیمنٹ کا رکن تھا، اسے پھانسنا آسان نہیں تھا لیکن ایک غیر قانونی رائفل رکھنے کے باعث سنجے کو گرفتار کرلیا گیا۔

بھارت کے قانون کے مطابق Terrorist and Disruptive Activities (ٹاڈا) کے تحت سنجے کو گرفتار کیا گیا تھا جس میں سزائے موت مل سکتی ہے یا عمر قید یا ۱۸ برس کی جیل بھی ہو سکتی ہے لیکن بمبئی کے بم دھماکوں سے اور فرقہ وارانہ فسادات سے ابھی تک سنجے کا تعلق ثابت نہیں ہوا ہے۔ اس کے کروڑوں شائقین اور فلم انڈسٹری کے بے شمار اداکار اور

سپر اسٹار اس کی حمایت میں حکومت سے احتجاج کر رہے ہیں اس لیے مندرجہ بالا قانون اس پر لاگو نہیں کیا جا رہا ہے۔ اس کے باوجود سنجے ابھی تک جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہے۔

فی زمانہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں بے گناہ افراد سزا پاتے ہیں۔ ایک بے گناہ سنجے دت جیل میں تھا اور دوسرا مراد جان اس پہلو سے بے گناہ تھا کہ بمبئی کے بم دھماکوں سے اور فرقہ وارانہ فسادات سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ لوگ تو سیاسی چالوں میں پھنس گئے تھے لیکن یہ سیاسی چالیں بہت جلد کمزور ثابت ہوئیں۔

بھارتی پروپیگنڈا مشینری کی ناپختگی کے باعث کھیل بگڑ گیا۔ انہوں نے یعقوب میمن کو بمبئی کے بم دھماکوں کا بڑا مجرم ثابت کرنے کے لیے قومی نیٹ ورک۔ ''دوردرشن'' پر اسے پیش کیا اور اس سے ایک تفصیلی انٹرویو کیا۔ اس انٹرویو میں یعقوب میمن نے کہا کہ اسے اپریل میں نیپال سے گرفتار کیا گیا تھا۔ جبکہ وزیر داخلہ ایس بی چاون نے کہا تھا کہ اسے وہاں کے ریلوے اسٹیشن سے گرفتار کیا گیا تھا۔ وقت اور مقام میں اتنا تضاد تھا کہ بھارتی الزامات مشکوک ہو گئے۔

اگر یعقوب میمن مجرم ہوتا تو ایسے وقت دہلی نہ جاتا، جب اس کے خلاف مقدمے کی سماعت شروع ہونے والی تھی۔

پھر یہ ثابت ہوا کہ جس تباہ کن مادے آر، ڈی، ایکس کے ذریعے ورلڈ ٹریڈ سینٹر میں دھماکا کیا گیا تھا اسی آر، ڈی، ایکس کے مادے سے بمبئی اسٹاک ایکسچینج میں بھی تباہی پھیلائی گئی تھی۔

اگر پاکستان دہشت گرد ملک ہے تو اس کے دہشت گرد ورلڈ ٹریڈ سینٹر میں کیوں دھماکا کریں گے؟ وہاں سے بھلا پاکستان کو کیا حاصل ہوگا؟ مختصر یہ کہ ایسے ایسے شواہد ملے کہ پاکستان پر عائد کیا جانے والا الزام جھوٹا ثابت ہوا۔

یہ جو دھرما اور مایا کی روداد کے دوران سیاسی حالات رونما ہوتے رہے۔ ان کے باعث دھرما کو سورت کی ایک مضافاتی بستی میں چھوٹی سی جھونپڑی بنا کر مصائب کے دن

گزارنے پڑے۔ بمبئی کے ایک بینک میں اس کے اسّی ہزار روپے پڑے ہوئے تھے، وہ اب خواب بن گئے تھے۔ وہ اپنی شانتا کے ساتھ تصور میں انہیں گن سکتا تھا مگر خرچ نہیں کر سکتا تھا۔ پھر یہ کہ جب تک اخبارات یا ریڈیو کے ذریعے مشتاق ٹائیگر کی کوئی اچھی خبر نہ ملتی اس وقت تک وہ کوئی خطرہ مول لے کر شیخاڑی کی طرف بھی نہیں جا سکتا تھے۔

وہ اس بستی میں بیوی بچوں کے ساتھ بڑی عبرتناک زندگی گزار رہا تھا۔ اسی بستی میں جوان بیٹا رام مورتی مر گیا۔ اس نے بیٹی اور بیوی کے ساتھ وہ بستی چھوڑ دی۔ پھر کسی پناہ گاہ کی طرف جانے کے دوران موت نے اس کا سراغ لگا لیا۔ ایک بستی کے کچھ لوگوں نے اسے اور شانتا کو ننھے بچے سمیت مار کر جلا دیا۔ پھر تھانے میں رپورٹ کی۔

پولیس والے طاعون زدہ مجرموں کو پکڑنے نہیں جاتے تھے۔ جب انہیں یقین دلایا گیا کہ ان کی لاشوں کو جلا دیا گیا ہے تو وہ فوٹو گرافر کے ساتھ وہاں پہنچے۔ لاشوں کو جلانے کے لیے لالٹین کا تیل کافی نہیں تھا اور نہ ہی چتا جلانے کے لیے لکڑیاں جمع کی گئی تھیں۔ اس لیے وہ ادھوری جلی ہوئی تھیں۔ تھانے دار نے دھرما کے ادھ جلے چہرے کو دیکھ کر کہا۔ ''یہ تو مراد جان مچھیرا ہے۔ ہندو نہیں مسلمان ہے۔ اس کی تصویر ہمارے تھانے کی فائل میں ہے۔''

فوٹو گرافر فلیش لائٹ کے ذریعے ان لاشوں کی اور خصوصاً دھرما کی تصویریں مختلف زاویوں سے اتار رہا تھا۔ دھرما کی بے لباسی نے بھید کھول دیا تھا کہ وہ مسلمان تھا اور اس کا نام مراد جان تھا۔

تھانے دار اپنے ساتھ دو بھنگی اور ایک کچرا اٹھانے والی گاڑی لایا تھا۔ بھنگیوں نے تھانے دار کے حکم پر ان تین لاشوں کو اٹھا کر گاڑی میں ڈال دیا۔ تھانے دار سپاہیوں کے ساتھ اپنی جیپ میں بیٹھ گیا پھر وہ سب وہاں سے چلے گئے۔

انہیں کلہاڑی اور چاقو سے قتل کرنے اور جلانے والے بھی بستی کی طرف لوٹ گئے۔ وہاں ویرانی اور سناٹا چھا گیا۔ صرف جھاڑیوں کے درمیان ویرانی نہیں تھی۔ وہاں مایا ایک

جوان شخص کے ساتھ چھپی ہوئی تھی۔ اس نے جو دیکھا اور سنا، اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ اپنے جنم سے خود کو ہندو سمجھتی آئی تھی۔ آج اچانک ہی مسلمان کی بیٹی بن گئی تھی۔ بھائی کے بعد ماں باپ کی ہلاکت کا صدمہ کچھ کم نہ تھا۔ ان صدمات کے باوجود ایک مسلمان زادی ہونے والی بات اسے الجھا رہی تھی۔

پھر وہ اجنبی کی آواز پر چونک گئی۔ اسے احساس ہوا کہ وہ تنہا نہیں ہے۔ تھوڑی دیر پہلے اسی شخص نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے چیخنے سے روکا تھا اور سمجھایا تھا کہ اپنوں کی جان بچانا ممکن نہ ہو تو ان کے لیے اپنی جان کو بھی داؤ پر لگانا حماقت ہے۔ وہ چپ رہ گئی تھی۔ پھر ایک نئے انکشاف نے اسے ایسا شاک پہنچایا تھا کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے اجنبی کو بھول گئی تھی۔

وہ بولا۔ ''خود کو سنبھالو۔ حوصلہ کرو اور یہاں سے چلو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بستی والے پھر یہاں آ جائیں۔''

جہاں اپنوں کی موت ہوتی ہے، وہاں بیٹھ کر ماتم کرنے سے دل کا غبار نکلتا ہے لیکن ماتم کرنے کے لیے وہاں کسی کی میت نہیں رہی تھی۔ ماں باپ اور ننھے بھائی کو بھنگی اٹھا کر لے گئے تھے۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر الجھی ہوئی جھاڑیوں کو دونوں ہاتھوں سے ہٹاتی ہوئی اس اجنبی کے پیچھے باہر کھلی جگہ پر آ گئی اور سر جھکا کر ساڑھی کے آنچل سے آنسو پونچھتی ہوئی اس کے پیچھے چلنے لگی۔

اب وہ کہاں جا رہی تھی؟ معلوم نہیں تھا۔ وہ اجنبی کون ہے؟ معلوم نہیں تھا۔ کیا اب سے پہلے اس کا باپ ہندو تھا؟ معلوم نہیں تھا۔ اگر باپ مسلمان تھا تو ماں ہندو کیوں تھی؟ معلوم نہیں تھا اور ان لمحات سے وہ ماں کے دودھ کا حساب کرے یا باپ کے خون پر فخر کرے؟ معلوم نہیں تھا۔ بعض اوقات آدھی زندگی یا پوری زندگی گزر جاتی ہے تب بھی انسان کو نہ اپنی شخصیت کی پرچھائیں تک معلوم ہوتی ہے اور نہ ہی اپنی اوقات کا پتا چلتا ہے۔

اپنی ذات کی شناخت دونوں ہاتھ جوڑ کر پوجا کرنے اور بھگوان کی آرتی اتارنے سے ہوتی ہے یا پھر رب جلیل کے آگے سجدہ کرنے سے ہوا کرتی ہے اور ابھی وہ پوجا بھگتی اور ایمانی سجدے کے درمیان معلق تھی۔

بڑی دور تک چلتے رہنے کے بعد اجنبی نے کہا۔ ''میں ادھر بیولا گاؤں سے آ رہا ہوں۔ گاؤں کے راستے سے گزرنے والی گاڑیاں بند ہو گئی ہیں۔ جہاں دیکھو طاعون کی دہشت طاری ہے۔ کوئی گھوڑا یا گدھا بھی سواری کے لیے نہیں مل رہا ہے، اسی لیے میں نے یہ شارٹ کٹ راستہ اختیار کیا ہے۔ یہ قدرت کے کھیل ہیں۔ تقدیر تمہیں تنہا چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے میں تمہارے گھر تک تمہیں پہنچانے آ گیا۔ مجھے بتاؤ کہاں رہتی ہو؟''

وہ خاموشی سے سر جھکائے چلتی رہی اور آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو پونچھتی رہی۔ اسے کیا بتاتی کہ کہاں جائے گی؟ کوئی منزل نہیں تھی کوئی گھر اور کوئی رشتے دار نہیں تھا۔

وہ اس دکھ بھری خاموشی کو سمجھ رہا تھا۔ ایسا ہوتا ہے کہ شدتِ غم سے گویائی کی سکت نہیں رہتی۔ وہ بولا۔ ''میں گوا میں رہتا ہوں مگر پہلے بمبئی جاؤں گا۔ وہاں میرے بڑے بھائی رہتے ہیں۔ اگر تمہارا گھر بمبئی کے راستے میں نہیں پڑتا ہے تو کوئی بات نہیں، میں راستہ بدل کر پہلے تمہیں خیریت سے پہنچا دوں گا۔''

وہ آنسو بھری آواز میں بولی۔ ''آپ راستہ نہ بدلیں۔ میرے راستے اتنے بدل رہے ہیں کہ صرف راستے ہی راستے رہ گئے ہیں۔ منزل بے نشان ہو گئی ہے۔ پتا نہیں آپ کے پیچھے چلنے والا راستہ کہاں لے جائے گا اور کس مقام پر چھوڑ دے گا؟''

وہ چلتے چلتے رک گیا۔ پھر اس کے برابر آ کر بولا۔ ''میں نے جان بوجھ کر آپ کو پیچھے پیچھے آنے دیا تا کہ اپنا صدمہ تنہا برداشت کرتی چلو۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم بالکل تنہا ہو گئی ہو۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ جب اپنے رشتے داروں میں پہنچو گی تو وہ تمہارے آنسوؤں میں شریک ہو کر تمہیں گلے لگائیں گے۔''

وہ سر جھکائے کھڑی رہی۔ اس نے کہا۔ ''آؤ میرے شانہ بشانہ چلو اور کچھ نہ کچھ اپنے حالات کے مطابق بولتی رہو۔ بولتے رہنے سے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔''

وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی بولی۔ ''انسان برداشت کی حد تک بوجھ تلے ہو تو اس بوجھ سے نکل آتا ہے۔ پہاڑ کے نیچے ہو تو کبھی نہیں نکل پاتا۔''

''آپ آگے کی بات کیسے کہہ سکتی ہیں؟ کیا تھوڑی دیر پہلے یہ کہہ سکتی تھیں کہ سگے ماں باپ کا ساتھ چھوٹ جائے گا اور ایک اجنبی کا ساتھ ہو جائے گا؟''

''آپ مجھے آپ نہ کہیں، میں ایک گری ہوئی، نامعلوم سی عورت ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ میں کون ہوں؟''

''اگر تم یہ بات سوچ سمجھ کر کر رہی ہو تو آپ سے تم پر آنے والے مزید قریب ہو جاتے ہیں۔''

مایا نے چونک کر اجنبی کو دیکھا۔ پھر اس سے نظریں چرانے لگی، اس نے پوچھا۔ ''جو مارے گئے اور جلائے گئے، کیا واقعی تمہارے ماں باپ تھے؟''

''میں کیا بتاؤں، خود الجھ کر رہ گئی ہوں۔ مجھے اپنا بچپن اچھی طرح یاد ہے۔ میں باپو کی گود میں کھیلتی رہی ہوں۔ میرا کوئی دوسرا ہندو باپ نہیں ہے۔ جبکہ ماں ہمیشہ پوجا پاٹھ کرتی رہی ہے۔ ہمیشہ دھرم کا پالن کرتی رہی ہے۔''

''تم وہاں جھاڑی میں صدمات کے باعث پورے ہوش میں نہیں تھیں۔ شاید تم نے پولیس والے کی بات نہیں سنی کہ تمہارے باپو کی تصویر تھانے کی فائل میں ہے اور اس کے مطابق ان کا نام مراد جان ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے پولیس والوں سے چھپنے کے لیے مذہب بدل دیا تھا یا صرف ظاہری طور پر ہندو بن کر رہتے تھے۔''

''یہی تو الجھنے والی بات ہے کہ میری ماں جی نے ایک کٹر ہندو ہو کر میرے مسلمان باپ کو اپنا شوہر کیوں بنایا؟''

''وہ کہتے ہیں نا کہ عشق نہ پوچھے ذات۔ شاید تمہارے باپو نے تمہاری ماں جی کو

تمام ہندوؤں کی نفرت سے بچائے رکھنے کے لیے اور خود پولیس والوں سے بچنے کے لیے ایسا کیا ہوگا۔''

''تو پھر میں خود کو کیا سمجھوں؟ میری پہچان کیا ہے؟ کیا میرے ماں باپ نے مجھے دوراہے پر لا کر نہیں چھوڑا ہے؟''

''نہیں، وراثت کے لیے اور آئندہ نسل تک اپنا نام قائم رکھنے کے لیے ابتدائے تہذیب سے اولاد اپنے باپ کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔ کیا تم اسے تسلیم کرتی ہو؟''

''مجھے باپو کی طرح ماں جی سے بھی اتنی ہی محبت رہی تھی۔ کیا ماں کے دودھ کا حساب نہیں ہونا چاہیے؟''

''دودھ کا حساب ضرور ہوتا ہے لیکن باپ کا نام اس بات کی سند ہے کہ ماں شریف اور نیک چال چلن کی تھی۔ وہ صرف تمہارے باپ کی ہو کر رہی، اس نے کسی مرد کو تمہارے باپ کی جگہ نہیں دی۔''

مایا نے بڑی عقیدت سے اجنبی کو دیکھا۔ اس نے ماں جی کی شرافت اور نیک چلنی کی بہت عمدہ دلیل دی تھی۔ وہ بولا۔ ''شاید میری بات تمہاری سمجھ میں آ رہی ہو۔ ویسے میں کھل کر کیوں نہ کہہ دوں کہ تم ایک مسلمان باپ کی مسلمان بیٹی ہو۔''

مایا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ بڑی دیر سے اپنے اندر سہم سہم کر یہی سوچ رہی تھی کہ وہ دھرم سے نکل کر باپ کے پل پر سے گزر کر دوسرے مذہب میں داخل ہو چکی ہے۔ پھر اسے ماں ہمیشہ ادھرمی یعنی دھرم کی منکر کہتی تھی۔ ابھی چند گھنٹے پہلے جب وہ زندہ تھی تو اس کے باپ سے کہہ رہی تھی کہ یہ لڑکی بھگوان اور ہندو جاتی کے خلاف بولتی رہتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ بیٹی کے اندر باپ کا ادھرمی خون بولتا رہتا ہے۔

اس وقت مایا سمجھ نہیں پائی تھی۔ اب دودھ کا دودھ اور پانی پانی کا ہو گیا تھا بلکہ دودھ الگ اور خون الگ ہو کر مایا سے صاف کہہ رہا تھا کہ ماں کی شرافت اور نیک چلنی قائم رکھنے کے لیے اسے تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ مسلمان زادی ہے۔

وہ چلتے چلتے رک گئی۔ پھر اسے دیکھ کر بولی۔ ''جب تم نے یہ جان لیا ہے کہ میں ایک مسلمان کی بیٹی ہوں تو مجھ سے نفرت کیوں نہیں کر رہے ہو؟''

وہ ہنسنے لگا۔ مایا نے پوچھا۔ ''کیا اس لیے ہنس رہے ہو کہ ایک جوان عورت ہاتھ لگی ہے۔ میں تمہیں خبردار کرتی ہوں کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ میں سورت سے آ رہی ہوں اور طاعون زدہ ہوں۔ تم بے موت مرو گے۔''

وہ اور زیادہ ہنسنے لگا پھر بولا۔ ''تم مجھے اب تک دھرما یا کرما سمجھتی آ رہی ہو، میرا نام اسد ہے، پورا نام اسد خان ہے۔''

وہ چند لمحوں تک اسے غور سے دیکھتی رہی۔ اگرچہ ستاروں کی روشنی میں وہ صاف طور سے نظر نہیں آ رہا تھا مگر ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بھی اس کی طرح ابھی ابھی مسلمان بن کر پیدا ہوا ہو۔ اس نے پوچھا۔ ''اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟ کیا یقین نہیں آ رہا ہے؟''

''ہاں۔ یقین تو آ رہا ہے لیکن مسلمان ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ طاعون کے جراثیم تمہیں نہیں لگیں گے۔ انہوں نے میری ماں جی اور باپو کو اور ننھے سے بھائی کو اسی خوف سے مارا تھا۔''

''آگے بڑھو، میں بتاتا ہوں۔''

وہ اسد کے ساتھ چلنے لگی، اس نے کہا۔ ''ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔ ہمارے رسولؐ نے فرمایا ہے کہ طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے، جیسے جہاد میں کافروں کے مقابلے سے بھاگنے والا۔ طاعون سے بھاگنے کو منع فرمانے میں کئی حکمتیں ہیں۔ ایک حکمت یہ ہے کہ اگر تندرست بھاگ جائیں گے اور پیچھے صرف بیمار رہ جائیں گے تو ان کا کوئی تیماردار ہوگا نہ خبرگیری کرنے والا ہوگا۔ پھر طاعون زدہ جگہ سے یا طاعون زدہ فرد سے بھاگنے والا دوسری جگہ جا کر جراثیم پھیلانے کا سبب بنتا ہے۔''

اس نے چلتے چلتے مایا کو دیکھا پھر پوچھا۔ ''اب بتاؤ کیا مجھے تم سے دور بھاگنا

چاہیے؟ کیا تمہیں مار ڈالوں گا تو یہ وبا ختم ہو جائے گی؟ کیا عقل نہیں کہتی کہ جہاد کرو۔ علاج کرو، خود نہ بھاگو، بلا کو بھگاؤ؟''

وہ اطمینان کی گہری سانس لے کر بولی۔ ''آپ بہت اچھے انسان ہیں۔''

''ہم آپ سے تم پر آ گئے ہیں اس لیے تم بھی مجھے تم کہو، طاعون بھاگ جائے گا۔''

اس نے بات اس انداز میں کہی تھی کہ مایا کے ہونٹوں پر لمحہ بھر کو مسکراہٹ آئی۔ پھر وہ سنجیدہ ہو گئی۔ ایک تو ماں باپ کی موت نے سنجیدگی کے ساتھ اداس کیا۔ دوسرے حالات نے پوچھا کہ اب وہ کہاں جا رہی ہے؟ یہ جو ہم سفر ہے، اپنی منزل پر پہنچ کر رک جائے گا۔ وہ اتنی وسیع و عریض زمین پر کب تک اور کتنی دور تک چلتی رہے گی؟

وہ ناسک پہنچے تو دن نکل آیا تھا۔ اسد نے ایک بس اڈے کے ویٹنگ روم میں پہنچ کر کہا۔ ''تم تنہا نہیں رہو گی، میرے ساتھ چلو گی۔''

''کہاں تک میرے لیے پریشانیاں اٹھاؤ گے۔ میں اکیلی سہی، کیا اکیلی عورت اپنے لیے دنیا میں جگہ نہیں بناتی ہے؟''

''بناتی ہے مگر اسے بہتان اور بدنامیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔''

''اور اگر کسی رشتے ناتے کے بغیر کسی کے ساتھ رہے تو رسوائیوں کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔''

''اور اگر میں تمہارے سر کی چادر بن جاؤں تو؟''

وہ ایکدم سے چونک گئی۔ اسے دیکھ کر بولی۔ ''کیا تم مجھے کنواری چھوکری سمجھ رہے ہو؟ میں چھ برس تک ایک مرد کی دھرم پتنی رہ چکی ہوں لیکن اسے ایک بچے کا بھی باپ نہ بنا سکی۔ اس لیے اس نے طلاق دے کر مجھے اپنے گھر سے اور اپنی زندگی سے نکال دیا۔ میں تمہیں فرشتہ سمجھ رہی ہوں، تم کندن لال نہ بنو۔''

''یہ کندن لال کون ہے؟ کیا تمہارا شوہر تھا؟''

''ہاں۔ یہ شوہر بھی خوب ہوتے ہیں۔ عورت کو فیکٹری کی مشین سمجھ کر لاتے ہیں، وہ

مشین مال پیدا نہ کرے تو فیکٹری سے نکال دیتے ہیں۔"

"کیا تم نے اپنا طبی معائنہ کرایا تھا؟"

"میڈیکل رپوٹ کبھی بدل بھی جاتی ہے۔ مجھے اپنے اندر ایک عجیب سی تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ لیڈی ڈاکٹر نے کہا تھا کہ پریشانی کی بات نہیں ہے۔ میں ماں بنوں گی تو تکلیف کا احساس ختم ہو جائے گا۔"

"یعنی تم ماں بن سکتی ہو؟"

"میں میڈیکل رپورٹ کے سلسلے میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ اتنا جانتی ہوں کہ جب گڑیا کو سینے سے لگاتی ہوں تو میرے اندر ایک ماں کا کلیجا پھٹنے لگتا ہے۔ طلاق ہو جانے کے بعد میں آئندہ کسی مرد کا تصور بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر میرے اندر کی عورت چیختی چلاتی رہتی ہے پھر میں اسے شانت کرنے کے لیے ایک گڑیا کو اپنے سینے سے لگا لیتی ہوں۔"

"میں سمجھ گیا، تمہارے اندر کی عورت یہ چیلنج کرتی ہے کہ وہ ماں بن سکتی ہے۔ طلاق دے کر جو توہین کی گئی ہے اس کا جواب دے سکتی ہے۔"

اس نے جواباً کچھ نہیں کہا۔ خاموش بیٹھی رہی۔ اسد نے خاموشی سے ایک معاہدے کے طور پر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ بعض اوقات بے زبانی بڑی پختہ اور معتبر زبان بن جاتی ہے۔

وہ بمبئی پہنچ گئے۔ اس کا بھائی کولابا کے ایک شاندار بنگلے میں رہتا تھا۔ اس نے ایک پبلک ٹیلی فون سے رابطہ قائم کرنے کے بعد پوچھا۔ "ہیلو، کیا بھائی جان ہیں؟"

دوسری طرف سے بھائی کی آواز آئی۔ "ہیلو، تم اپنا نام مجھے نہ بتانا اور یہ بھی نہ کہنا کہ ابھی کہاں سے بول رہے ہو۔ مجھے شبہ ہے کہ میرا فون ٹیپ کیا جا رہا ہے۔"

"اوہ بھائی جان! میں آپ کی بیماری کی خبر سن کر آیا ہوں۔ اب آپ کہیں گے کہ ملنے بھی نہ آؤں؟"

"ہرگز نہیں، ادھر کا رخ نہ کرنا۔ ان کی نظروں میں آ جاؤ گے۔ وہ ٹریس کر رہے

ہوں گے کہ تم کہاں سے فون کر رہے ہو۔ تم فوراً وہاں سے دوسری جگہ چلے جاؤ۔ بلکہ شہر سے چلے جاؤ۔ زندگی رہی تو پھر ملوں گا۔"

اس کے بھائی جان نے ریسیور رکھ دیا۔ ریسیور رکھنے والا بڑا بھائی صمد خان ایک بیڈ روم میں بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس خواب گاہ کا قیمتی آرائشی سامان بتا رہا تھا کہ وہ رئیس اعظم ہے اور دیواروں پر لگی ہوئی ہیجان انگیز تصویریں بتا رہی تھیں کہ وہ عیاش بھی ہے۔ اس کی عمر پچاس کی دہائی میں تھی لیکن اس نے شادی نہیں کی تھی۔ شادی نہ کرنے کی وجہ محض عیاشی نہیں تھی۔ وہ خطرات سے کھیلتا تھا اس لیے بیوی بچے پال کر انہیں اپنی کمزوری نہیں بنانا چاہتا تھا۔ دشمن ایسی ہی کمزوریوں سے کھیلتے ہیں۔ اسی لیے اس نے ابھی اپنے بھائی اسد کو بھی اپنے بنگلے میں آنے سے منع کیا تھا۔

وہ جہاں لیٹا ہوا تھا، وہاں نظروں کے سامنے ایک دیوار کے پاس چار عدد ٹی وی تھے۔ ان کی ایک اسکرین پر اپنے بنگلے کا کاریڈور، دوسری اسکرین پر ڈرائنگ روم، تیسری اسکرین پر بنگلے کے گیٹ اور چوتھی اسکرین پر بنگلے کا پچھلا دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔ دشمنوں کے خیال میں وہ پچھلا دروازہ محفوظ تھا۔ اس لیے وہ ادھر سے آ رہے تھے۔ صمد خان نے پاس رکھے ہوئے ریوالور کو اٹھا کر تکیے کے اوپر رکھا۔ پھر اس ریوالور کے اوپر اپنا سر رکھ لیا۔ اس طرح وہ ہتھیار چھپ گیا۔

کچن کے پچھلے دروازے سے داخل ہونے والے دو شخص تھے۔ وہ دبے قدموں چلتے ہوئے کچن سے گزر کر کاریڈور میں آئے۔ جب وہ خواب گاہ کا دروازہ کھول کر آنے لگے تو صمد خان تکلیف سے کراہنے لگا۔ انہوں نے خواب گاہ میں داخل ہوتے ہی اپنے اپنے چاقو نکال لئے۔ ایک نے چاقو کھولتے ہوئے کہا۔ "تو نے کل صبح اپنے بھائی کو گوا فون کیا تھا کہ تو بہت بیمار ہے۔ میں بمبئی سے باہر تھا۔ یہاں ہوتا تو کل ہی تیرا کام تمام کر دیتا۔"

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔ "آہ! میں تو ویسے بھی مرنے والا ہوں۔ بھیم سنگھ،

مجھے مارنے کے لیے چاقو نہیں، کوئی گن لانا چاہئے تھی۔"

"میری جیب میں پستول بھی ہے لیکن فائرنگ کی آواز میرے لیے مصیبت بن جائے گی۔"

بھیم کے ساتھی نے کہا۔"اس لیے پہلے ہم چاقو سے وار کریں گے اور تم جانتے ہو۔ میرا نام رگھوناتھ ہے۔ میرا وار کبھی خالی نہیں جاتا۔"

وہ قریب آ رہے تھے۔ صمد خان نے کہا۔"وہیں رک جاؤ۔ یہاں آنے سے پہلے معلوم تو کر لیتے کہ مجھے بیماری کیا ہے۔ میں نے فون پر بھائی کو اپنی بیماری نہیں بتائی تھی اسے معلوم ہوتا کہ میں طاعون کا شکار ہو گیا ہوں تو وہ پریشان ہو جاتا۔"

"طاعون!" بھیم سنگھ اور رگھوناتھ سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔

صمد خان نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔"میں نے اسی لیے قمیص نہیں پہنی ہے تاکہ تمہیں میرے دونوں بغل میں گلٹیاں نظر آئیں اور تمہیں یقین ہو جائے کہ قریب آ کر چاقو سے وار کرو گے تو میرے جراثیم تم دونوں پر حملہ کریں گے۔"

وہ اور ذرا پیچھے ہٹ کر اپنی جیبوں سے پستول اور ریوالور نکالنے لگے۔ اس سے پہلے ہی صمد خان نے سر کے نیچے سے ریوالور نکال کر پہلے رگھوناتھ کو گولی ماری پھر بھیم سنگھ کے پاؤں پر گولی مارنے کے بعد کہا۔"اپنا پستول جیب میں ہی رہنے دو۔ سیٹھ داؤد ابراہیم کا حکم ہے کہ تمہیں جان سے نہ مارا جائے، زخمی کر کے اس ٹارچر سیل میں بھیجا جائے جس کے ایک کمرے میں دو سو زندہ چوہے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ قریب آتے ہوئے بولا۔"میرے بغل میں اتنے بال ہیں کہ تمہیں گلٹیاں نظر نہیں آئیں گی۔ ویسے بھی جو نہ ہوں، وہ نظر نہیں آتیں۔"

اس نے قریب آ کر اس کی جیب سے پستول کو نکال لیا۔ وہ گڑگڑانے لگا۔"مجھے ٹارچر سیل میں نہ پہنچاؤ۔"

"کیوں نہ پہنچاؤں؟ کیا چوہوں سے ڈر لگتا ہے؟"

"مم میں طاعون سے مرنا نہیں چاہتا۔ میں اس بیماری کے ڈر سے بمبئی چھوڑ کر چلا گیا تھا۔"

"پھر تمہیں خبر ملی کہ میں بمبئی میں ہوں اور بیمار ہوں۔ تم فوراً مجھے قتل کرنے چلے آئے۔ جب کہ سرکاری رپورٹ کے مطابق بمبئی کی آبادی ایک کروڑ ہے اور یہاں چوہے پانچ کروڑ ہیں۔ یعنی پانچ چوہوں کے حصار میں ایک آدمی ہے۔ مجھے قتل کرنا اتنا ضروری تھا کہ تمہارے دل سے چوہوں کا خوف نکل گیا۔"

"اور کچھ مت بول خان بھائی! ہم سب ایک ہی گینگ کے آدمی ہیں۔ ہم سب ایک ساتھ کھاتے پیتے اور موج کرتے رہے ہیں۔"

"اور یہ سب کچھ ہمارے سیٹھ کے دم سے ہے۔ میں اس کا نمک حلال کر رہا ہوں اور نمک حرامی کی سزا تو تمہیں معلوم ہے۔ اپنا سیٹھ نئے نئے اسٹائل سے سزا دیتا ہے۔ وہ موسمی بخار ہے۔ جیسا موسم دیکھتا ہے، ویسا ہی بخار چڑھا دیتا ہے آج کل چوہوں کا موسم ہے۔"

"نن۔ نہیں خان بھائی! مجھ سے وہ تمام تصویریں اور نیگیٹیو لے لو۔ میری جان چھوڑ دو۔"

"میرے آدمیوں نے تلاشی لیتے وقت تمہارے پورے گھر میں جھاڑو پھیر دی۔ وہ تصویریں نہیں ملیں۔ انہیں کہاں چھپایا ہے؟"

"میرا خفیہ اڈا ہے، وہاں تمام چیزیں ہیں۔ میرے ساتھ چلو میں.........."

بات پوری ہونے سے پہلے صمد خان نے اس کے منہ پر ایک الٹا ہاتھ مارا پھر کہا۔"خفیہ اڈا بنانے کا مطلب یہ ہے سیٹھ کے مقابلے میں گینگ بنا رہے ہو۔ میں ایسا احمق نہیں ہوں کہ تمہارے ساتھ جاؤں یا تمہیں جانے دوں۔ وہاں کا پتا بتاؤ۔"

اس نے پتا بتایا۔ صمد خان نے اس کے آگے فون رکھ کر کہا۔"اپنے اڈے کے دست

راست کو فون کرو اور کہو صمد خان کا چھوٹا بھائی اسد خان آرہا ہے۔ تمام تصویریں اور تمام نیگیٹو اس کے حوالے کر دیے جائیں کوئی بدمعاشی ہوگی تو تمہیں چوہوں کے سیل میں پہنچا دیا جائے گا۔''

اس کے ایک پیر میں گولی لگی تھی۔ اس نے تکلیف سے کراہتے ہوئے نمبر ڈائل کیے۔ پھر رابطہ ہونے پر کہا۔ ''میں خان بھائی کے چنگل میں پھنس گیا ہوں۔ بری طرح زخمی ہوں۔ خان بھائی کا بھائی اسد خان تمہارے پاس آرہا ہے۔ وہ تصویریں اور نیگیٹو اسے دے دو۔ ان میں سے اگر ایک بھی نیگیٹو یا تصویر کم ہوگی تو مجھے ٹارچر سیل کے ایسے کمرے میں پہنچایا جائے گا جہاں دوسو چوہے ہیں۔ بھگوان کے لیے کوئی چالاکی نہ دکھانا۔''

صمد خان نے اس سے ریسیور چھین کر اپنے کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے کوئی کہہ رہا تھا۔ ''فکر نہ کرو۔ ہم تمہیں بچالیں گے اور سرکار سے انعام بھی دلائیں گے۔ تم اس کے بھائی کو یہاں آنے دو۔ وہ خود اپنے جال میں پھنسے گا۔ ٹھیک ہے؟''

صمد خان نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر اسے بھیم سنگھ کے منہ کے قریب لا کر بولا۔ ''جلدی سے بولو آل رائٹ۔''

اس نے ریسیور کے ماؤتھ پیس سے ہاتھ ہٹایا۔ بھیم سنگھ نے ''آل رائٹ'' کہا اس کے ساتھ ہی ریسیور کریڈل پر آ گیا۔ وہ فون کو اٹھا کر ایک طرف رکھتے ہوئے بولا۔

''ہمارے مخبر نے بتایا تھا کہ میری تمام فون کالیں ٹیپ ہو رہی ہیں۔ تب ہی مجھے شبہ ہوا تھا کہ تم نے سرکاری ایجنسی سے گٹھ جوڑ کیا ہے۔ ابھی فون پر آواز سن کر پتا چلا کہ ''را'' کے زون انچارج ورما صاحب بول رہے ہیں تم نے بڑی اونچی چھلانگ لگائی ہے۔ ہمیں ''را'' کے آہنی پنجوں میں جکڑنا چاہتے ہو۔''

''خان بھائی! تم غلط سمجھ رہے ہو۔ وہ ''را'' کا کوئی افسر نہیں ہے۔ میرا ماتحت ہے۔ اپنے بھائی کو بھیج کر یقین کرلو۔''

''میں نے اپنے بھائی کا نام تمہارے ذریعے وہاں تک پہنچایا، جہاں ڈیڑھ گھنٹا

پہلے ...... فون پر دونوں بھائیوں کی گفتگو سنی جا رہی تھی۔ اب ورما صاحب وہاں میرے بھائی کا انتظار کریں گے اور شاید دوسری ٹیم میرے بنگلے میں بھیجیں گے۔''

اس نے کال بیل کا بٹن دبایا۔ چار شخص تیزی سے چلتے ہوئے آئے۔ اس نے کہا۔ ''یہ کچرا یہاں سے اٹھاؤ اور خون آلود قالین فوراً بدل دو۔ ''را'' کے ایجنٹ پہنچنے والے ہیں۔''

وہ لوگ رگھوناتھ کی لاش کو اور زندہ بھیم سنگھ کو اٹھا کر لے جانے لگے۔ صمد خان کے بنگلے کے کسی بھی کمرے میں دیوار سے دیوار تک قالین بچھے نہیں رہتے تھے۔ سادہ قالین کے کئی حصے ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر بچھائے جاتے تھے۔ خواب گاہ میں قالین کے جس حصے میں خون پھیلا ہوا تھا، اسے ہٹا دیا گیا۔ اس کی جگہ دوسرا قالین لا کر بچھا دیا گیا۔ یہ سارا کام بڑی تیزی سے ہو رہا تھا۔ صمد خان ایک صوفے پر بیٹھا ٹی وی اسکرین کو بار بار دیکھتا جا رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ''را'' کی خفیہ فورس یہاں پہنچنے والی ہے۔

پھر وہ اسکرین پر اپنے بھائی اسد خان کو دیکھ کر چونک گیا۔ وہ احاطے کے گیٹ کے پاس کھڑا ہوا تھا اور گیٹ کا دربان اسے اندر جانے سے منع کر رہا تھا۔ صمد خان نے فوراً ہی انٹرکام کے ذریعے کہا۔ ''اجیت رائے! گیٹ پر میرا بھائی پہنچ گیا ہے۔ ہمارے آدمیوں سے بولو۔ فوراً اسے اٹھا کر ایک گاڑی میں ڈال کر لے جائیں اور پھر میرے دوسرے حکم کا انتظار کریں۔ جلدی کرو۔''

جلدی کی گئی۔ اس کے ماتحت بجلی کی سی پھرتی سے کام کرتے تھے۔ اس نے اسکرین پر دیکھا۔ ایک گاڑی تیزی سے آکر رکی تھی۔ اس میں مسلح افراد نے باہر آکر اسد کو جکڑ لیا۔ وہ جدوجہد کر کے خود کو چھڑانا چاہتا تھا۔ مگر اس کے سینے پر ایک گن کی نال رکھ دی گئی۔ پھر وہ جبراً اسے گاڑی میں بٹھا کر لے گئے۔

صمد خان نے پھر انٹرکام پر کہا۔ ''اجیت رائے! تم بھی یہاں سے فوراً جاؤ اور میرے بھائی سے ایسے سلوک کی معافی مانگو۔ اس کا جو مسئلہ ہو، اسے حل کرو۔ اگر وہ شہر سے نہ جانا

چاہے یا مجھ سے ملنے کی ضد کرے تو کسی اچھی جگہ اس کے رہنے کا انتظام کرو۔ مجھ سے رابطہ رکھو اور اس سے ہاتھ جوڑ کر کہو کہ مجھ سے فون پر بات نہ کرے اور نہ ادھر کا رخ کرے۔ میں کسی وقت خود اس سے آ کر ملوں گا۔ اب یہاں سے جاؤ۔"

اس نے انٹر کام کا ریسیور رکھ دیا۔ اسکرین پر اپنے بنگلے کے اندرونی اور بیرونی مناظر دکھائی دے رہے تھے۔ احاطے کا آہنی گیٹ بند تھا۔ کوئی نہیں آ رہا تھا۔ اس کی توقع کے مطابق "را" کے سخت اور جابر افراد کو یہاں آنا چاہیے تھا۔ مگر بنگلے کے اگلے گیٹ اور پچھلے دروازے پر کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔

پھر فون کی گھنٹی نے چونکا دیا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو صمد خان اسپیکنگ۔"

دوسری طرف سے اسی "را" کے زون انچارج ورما کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا۔ "ہیلو! میں بھیم سنگھ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ نے شاید غلط نمبر ڈائل کیا ہے۔ یہاں بھیم سنگھ نام کا کوئی شخص نہیں رہتا ہے۔"

"مسٹر خان! زیادہ چالاک نہ بنو۔ کوئی آدھا گھنٹا پہلے بھیم سنگھ نے مجھ سے تمہارے فون ہی کے ذریعے بات کی تھی۔ ایکسچینج سے تمہارے فون نمبر کی تصدیق ہو گئی ہے۔"

"آپ کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کوئی سرکاری جاسوس ہیں۔ میں قانون کا احترام کرنے والا شہری ہوں۔ اگر آپ یہاں تشریف لا کر انکوائری کریں گے تو میں آپ سے ہر طرح کا تعاون کروں گا۔"

"مجھ سے پہلے پولیس والے، پھر انٹیلی جنس والے کئی بار تمہارے بنگلے پر چھاپے مار چکے ہیں۔ انہیں کچھ حاصل نہیں ہوا میرا طریقہ کار کچھ اور ہے۔ میں نے اس فون پر ہونے والی گفتگو سے سمجھ لیا ہے کہ تم نے اپنے خلاف تمام ثبوت غائب کر دیے ہیں۔"

"یہ تو خواہ مخواہ شک کرنے والی بات ہے۔ کسی نے حکیم لقمان سے پوچھا، آپ کے پاس شک کا علاج کیوں نہیں ہے۔ حکیم صاحب نے جواب دیا، یہ بیماری پولیس والوں کو

ہوا کرتی ہے۔ کس حکیم کی شامت آئی ہے کہ تھانے جا کر ان کا علاج کرے؟ جس بیمار افسر کی نبض پکڑیں گے، وہ ہمارا ہاتھ پکڑ لے گا۔"

وہ گرج کر بولا۔ "میں کوئی پولیس والا نہیں ہوں۔ جس دن تمہاری گردن میرے ہاتھ میں آئے گی اس دن تمہیں معلوم ہوگا کہ میں..........."

وہ بات کاٹ کر بولا۔ "آپ "را" کے زون انچارج مسٹر ورما ہیں۔"

"کیا؟" اس کی حیرت بھری آواز سنائی دی۔ صمد خان نے کہا۔ "آپ پریشان نہ ہوں۔ "را" کے خفیہ افسروں کو کوئی نہیں جانتا لیکن آپ نے ایک کاک ٹیل پارٹی میں اتنی پی لی تھی کہ قے ہو گئی تھی۔ اندر کا راز باہر آ گیا تھا۔ ویسے پینے کے بعد بڑبڑاتے رہنے کی عادت بری ہوتی ہے۔"

"یو شٹ اپ، میں نے کسی پارٹی میں اپنی لمٹ سے زیادہ نہیں پی ہے۔ میں ہمیشہ ہوش و حواس میں رہتا ہوں۔"

"ہر شرابی کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ پی کر نہیں بہکتا۔ بہر حال یہ ہم جانتے ہیں کہ "را" تنظیم کسی بھی حکومت وقت کے پردھان منتری کی نگرانی میں رہتی ہے۔ اگر سیٹھ داؤد ابراہیم نے اوپر تک یہ بات پہنچا دی کہ آپ اس تنظیم میں خفیہ نہیں رہے ہیں ہم سب پر ظاہر ہو چکے ہیں تو آپ کو عمر قید یا سزائے موت ملے گی۔ تاکہ آپ کے ذریعے "را" کے مختلف راز دوسروں تک نہیں پہنچیں۔"

فون پر تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ "تم لوگ بہت خطرناک ہو۔ میں دوستی کرنا چاہتا ہوں۔"

"چلو دوستی ہو گئی۔ اب اعتراف کر لو کہ پی کر بہکتے ہو اور بڑی بڑی باتیں کرتے ہو۔"

"ہاں ایسی غلطی کبھی کبھی مجھ سے ہو جاتی ہے۔"

"بس تو پھر تم گئے کام سے۔ یا تو اس وقت بدحواس ہو گئے ہو۔ یا پھر تمہیں بتایا نہیں

گیا ہے کہ میرے فون پر ہونے والی گفتگو ریکارڈ ہوتی رہتی ہے۔ ہوسکتا ہے اس وقت تمہارے اعلیٰ افسران سن رہے ہوں۔ اب وہ تم سے نمٹ لیں گے۔ میں فون بند کرنے سے پہلے خدا حافظ نہیں کہوں گا۔ کیوں کہ خدا بھی تمہیں نہیں بچائے گا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ کلدیپ ورما "را" کے زونل آفس سے باتیں کر رہا تھا۔

اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے افسران میں ایک ایڈیشنل ڈائریکٹر "را" آپریشنز تھا۔ دوسرا ایس ایس پی یعنی اسپیشل سروسز بیورو موجود تھا۔ اس کے علاوہ جوائنٹ ڈائریکٹر وغیرہ تھے۔

کلدیپ ورما جس فون سے باتیں کر رہا تھا۔ اس فون کا وائڈ اسپیکر آن تھا اور تمام سینئر آفیسر فون پر ہونے والی صمد خان کی باتیں سن رہے تھے۔

ورما نے کان سے ریسیور لگائے ہیلو ہیلو کہہ کر صمد خان کو آواز دی۔ ایس ایس پی نے کہا۔"وہ بھید کھول کر فون بند کر چکا ہے۔ اب کسے پکار رہے ہو؟"

ورما نے ریسیور رکھ کر سہمی ہوئی نظروں سے اپنے اعلیٰ افسران کو دیکھتے ہوئے کہا۔"آپ سب نے میری بات بھی سنی ہے۔ میں نے اسے دوستی کی پیشکش کی ہے۔ وہ میری پیشکش پر غور کر رہا ہوگا۔ ابھی ضرور فون پر جواب دے گا۔"

ایک جوائنٹ ڈائریکٹر نے کہا۔"واقعی تم نے بڑی حکمت علمی کا مظاہرہ کیا ہے۔ تم اس خان سے دوستی کر کے داؤد ابراہیم تک پہنچ جاؤ گے، اسے گرفتار کرو گے۔ حکومت اس کی گرفتاری پر تمہیں 15 لاکھ روپے دے گی، ہم تمہارے کارنامے پر تالیاں بجائیں گے۔"

"نہیں۔ مجھے انعام کا لالچ نہیں ہے۔ مجھے صمد خان سے دوستی کرنے اور داؤد ابراہیم تک پہنچنے کا موقع دو۔"

ایڈیشنل ڈائریکٹر نے پوچھا۔"کیا شراب کے نشے میں گنگناتے ہوئے جاؤ گے، سارے گاما پا دھانی سا..........را۔را۔را۔را پھر وہ لوگ یہ جاننے کے بعد کہ "را" کے دربار سے آئے ہو، تمہیں گلے لگائیں گے؟"

کلدیپ ورما نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔"پلیز آپ میرے لائن آف ایکشن کو سمجھیں۔

داؤد ابراہیم جیسے سیاسی مافیا کے سربراہ ہماری "را" تنظیم سے گٹھ جوڑ کرنے پر فخر محسوس کریں گے۔ اسے اپنی کامیابی سمجھیں گے۔"

"وہ سیاسی مافیا حکومت کے خلاف کام کرنے والی اپوزیشن پارٹی کی سب سے مضبوط ایجنسی ہے۔ ہماری معلومات کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم پی کر بہکتے ہو۔ تم نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ "را" والے داؤد ابراہیم کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ اب وہ تمہارے ذریعے ہمارے خفیہ ایجنٹوں تک پہنچنے کی کامیاب کوشش کرتے رہیں گے۔"

ایس ایس پی نے کہا۔"ہاں اگر تم نہیں رہو گے تو وہ ہمارے اندرونی معاملات تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ لہٰذا تمہیں نہیں رہنا چاہئے۔"

ایڈیشنل ڈائریکٹر نے کہا۔"صمد خان سے پہلے بھیم سنگھ تم سے باتیں کر رہا تھا اور سہم کر کہہ رہا تھا کہ وہ تصویریں اور نیگیٹو واپس نہیں کیے جائیں گے تو صمد خان اسے دو سو چوہوں کے ایک کمرے میں چھوڑ دے گا۔ تمہیں چوہے کیسے لگتے ہیں؟"

کلدیپ ورما کے چہرے سے رنگ اڑ گیا۔ ایڈیشنل ڈائریکٹر نے کہا۔"پہلے چوہوں کی بیماری کو بلیک ڈیتھ یعنی کالی موت کہتے تھے۔ تمہارا چہرہ تو ابھی سے کالا پڑ رہا ہے۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر کسی سے رابطہ کیا۔ پھر کہا۔"میں اے ڈی بول رہا ہوں۔ میونسپل کمیٹی کی چوہا مار ٹیم سے معلوم کرو، آج کتنے چوہے مارے اور پکڑے گئے ہیں۔ مارنے کے بعد ابھی انہیں نہ جلایا جائے۔ ہم ایک آدمی بھیج رہے ہیں۔ اسے بھی چوہوں کے ساتھ جلایا جائے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ ہندوؤں میں بڑے دولت مند لوگوں کی چتائیں صندل کی لکڑیوں سے جلائی جاتی ہیں۔ ورما اپنے دھرم کی تاریخ میں پہلی بار چوہوں کے ساتھ جلنے والا تھا۔

☆======☆======☆

پاکستان ہو یا بھارت، جنوبی ایشیا کے ممالک میں اس طرح جمہوریت کا بیڑا غرق ہوتا ہے کہ ان ممالک کی حکمران اور اپوزیشن پارٹیوں کے درمیان مختلف ایجنسیاں سرگرم عمل رہتی ہیں۔ جس پارٹی کی خفیہ ایجنسیاں فعال اور مستحکم ہوتی ہیں' وہ پارٹی حکومت کرتی ہے اور دوسری اپوزیشن کے خانے میں چلی جاتی ہے۔

پھر اپوزیشن کی ایجنسیاں اسے اقتدار میں لانے کے لیے اپنے ہتھکنڈے آزماتی ہیں، یوں دونوں طرف سے تخریب کاری اور دہشت گردی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ جنوبی ایشیائی باشندے بڑی ناقابل فہم مخلوق ہیں۔ یہ بے موت مرنے سے پہلے اپنی باقی ماندہ قوم کو وصیت کر جاتے ہیں کہ آئندہ الیکشن میں انہی قاتلوں کو ووٹ دینا، اور ہمارا کوئی تیسرا مائی باپ نہیں ہے۔

داؤد ابراہیم کے بارے میں مختلف آرا تھیں۔ اپوزیشن والے داؤد ابراہیم کے حمایتی تھے اور کہتے تھے کہ بمبئی میں بم دھماکے اور ہندو مسلم فسادات ''را'' نے کرائے ہیں۔ تاکہ جنتا اپنی جان کی امان چاہے اور حکومت کی کمزور پالیسیوں پر تنقید کرنے کی اسے فرصت نہ ملے اور حکومتی پارٹی الزام دے رہی تھی کہ پاکستان نے مہاراشٹر کے شہر بمبئی میں تخریب کاری اور دہشت گردی کے لیے داؤد ابراہیم کی خدمات حاصل کی ہیں۔

داؤد ابراہیم ایک ارب پتی سیٹھ ہے اور کہتا ہے کہ خدا نے اسے دنیا کی تمام نعمتیں دی ہیں۔ اسے کسی ایک ملک کے لیے دوسرے ملک میں تخریب کاری کی کیا ضرورت ہے۔ یہ الزام دینا کہ پاکستان نے اسے ۲۰ کروڑ روپے دے کر بھارت میں انتشار پھیلایا ہے،

سراسر مضحکہ خیز ہے۔ جب کہ اس سیٹھ کو اپنے کاروبار سے سالانہ تقریباً ۳۰۰۰ کروڑ روپے حاصل ہوتے ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ اپوزیشن میں رہنے والے مہاراشٹر کے سیاست داں اس کے مرید ہیں۔ بمبئی کے ڈپٹی کمشنر نے انکشاف کیا تھا کہ مہاراشٹر کے وزیراعلیٰ شرد پوار نے سابق وزیراعلیٰ کو اقتدار سے محروم کرنے کے لیے اور بی جے پی کو شیوسینا سے الگ کرنے کے لیے داؤد ابراہیم کے ذریعے آگ اور خون کی ہولی کھیلی تھی اور شرد پوار نے ہی بمبئی میں داؤد ابراہیم کو ایک خفیہ پناہ گاہ میں چھپا رکھا تھا۔

اس کی ایجنسی اتنی مستحکم اور فعال ہے کہ اس نے تمام بمبئی کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ بڑی بڑی پارٹیاں اپنا اپنا کالا دھن سفید کرنے کے لیے انتخابی مہم میں کامیاب ہونے کے لیے سیٹھ داؤد ابراہیم سے افرادی قوتیں حاصل کرتی ہیں۔ بھارت میں جتنے جاسوس اور پولیس والے اسے گرفتار کرنا چاہتے ہیں، ان سے زیادہ مخالف سیاسی پارٹیاں اور ان کے بے شمار کارکن اسے قانونی گرفت سے دور رکھتے ہیں۔

اور صرف سیاستداں ہی نہیں، بڑے بڑے بیوروکریٹس، فلمی ستارے اور فلم ساز بھی اس سے دوستی رکھتے ہیں۔ شارجہ میں جب کرکٹ مقابلے ہوتے ہیں۔ داؤد کی کتنی ہی رولز رائیس کاریں ائرپورٹ پہنچ جاتی ہیں اور تمام فلم اسٹارز کو مہمان بنا کر اس کے بڑے بڑے بنگلوز میں لے جاتی ہیں۔ اس کی دوستی صرف سنجے دت سے ہی نہیں، انیل کپور جیسے کتنے ہی ہیرو اور ہیروئنوں سے بھی ہے۔ داؤد ابراہیم نے ایک بہت ہی مہنگا وِلا خریدا ہے۔ جس ہیروئن پر اس کا دل آجاتا ہے۔ اس کے لیے دل کی طرح اس وِلا کا دروازہ بھی کھول دیتا ہے۔ ایسے تمام رازوں کے تصویری ریکارڈز موجود ہیں۔

ایک ہیروئن نے داؤد ابراہیم کو اطلاع دی تھی کہ اس کے ساتھ جو تصویریں ہیں، وہ ایک بلیک میلر کے ہاتھ لگ گئی ہیں۔ داؤد ابراہیم نے اپنے سب سے شاطر ماتحت صمد خان کو حکم دیا کہ بلیک میلر کا سراغ لگاؤ۔ صمد خان نے یہ موٹی سی حقیقت سمجھ لی کہ کسی گھر کے

بھیدی ہی نے لنکا ڈھائی ہے۔ جب وہ ہیروئن شارجہ میں داؤد ابراہیم کے ساتھ تھی تو ان کے باڈی گارڈز بھیم سنگھ اور رگھوناتھ تھے۔ یہیں سے کڑیاں ملاتے ہوئے صمد خان نے ان دونوں کی گردنیں دبوچ لیں۔ صرف اتنا ہی نہیں، ان کے ذریعے ''را'' کے زونل انچارج کلدیپ ورما تک پہنچ گیا۔

شرد پوار کی خفیہ پناہ گاہ سے داؤد ابراہیم نے پیغام بھیجا۔ ''خان! تم نے بڑی چالبازی سے دشمنوں کو ختم کیا ہے لیکن وہ تصویریں اور نیگیٹو ''را'' کی تحویل میں ہیں۔ مجھ تک پہنچنے کے لیے جاسوس اس ہیروئن پر دباؤ ڈال رہے ہیں۔ ان کے خوف سے کوئی فلمساز بیچاری ہیروئن کو سائن نہیں کر رہا ہے۔ کسی طرح یہ قصہ بھی ختم کرو۔''

اس رات کی صبح ہونے تک صمد خان ہیروئن کے بنگلے میں پہنچ گیا۔ دشمن یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ جس ہیروئن کو ٹارگٹ بنایا گیا ہے اور داؤد اپنی محبوبہ کی تصاویر کا سودا کرنے پر مجبور ہونے والا ہے وہ سودا ہونے سے پہلے داؤد یا اس کا کوئی آدمی ہیروئن کے گھر کا رخ کرے گا لیکن وہ توقع کے خلاف وہاں پہنچ گیا۔ ہیروئن نے اسے دیکھ کر حیرانی سے پوچھا۔ ''تم یہاں کیوں آئے ہو؟ کیا داؤد نے وہ تصویریں حاصل کر لی ہیں؟''

وہ بولا۔ ''یہ قصہ بڑا طول پکڑ رہا ہے۔ سیٹھ نے کہا کہ یہ قصہ ہی ختم کر دیا جائے۔''

یہ کہہ کر اس نے سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے گولی مار دی۔ پھر اس کا فون استعمال کیا۔ بھیم سنگھ نے جو نمبر ڈائل کیے تھے۔ ان نمبروں کے ذریعے رابطہ قائم کیا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''ہیلو میں اے ڈی بول رہا ہوں۔''

صمد خان نے کہا۔ ''میں کسی اے ڈی کو نہیں جانتا۔ ہاں یہ سمجھ سکتا ہوں کہ آدھی رات کو جس نمبر پر ورما سے بات ہوئی تھی۔ اسی جگہ سے تم بول رہے ہو۔ شاید ورما اس دنیا میں نہیں رہا۔''

''اچھا تو تم صمد خان ہو؟''

''نام نہ پوچھو۔ کام پوچھو۔ سیٹھ داؤد ابراہیم بدنام زمانہ ہے۔ ایک ہیروئن کے

ساتھ اس کی تصویریں بھلا کیا بدنام کریں گی۔ البتہ وہ ہیروئن ایک خطرہ بن گئی تھی۔ اس کے پیچھے کتے ہمارے سیٹھ کی بو پا سکتے تھے۔ اس لیے ہیروئن کو ہی ختم کر دیا۔ اب وہ تصویریں اپنے بیڈ روم میں لگاؤ یا ہیروئن کی چتا کے ساتھ انہیں بھی جلا دو۔ دیٹس آل۔''

اے ڈی نے فون بند ہونے پر جھنجلا کر اپنے ماتحت سے پوچھا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے؟ صمد خان کے بنگلے کی نگرانی پولیس والے کر رہے تھے۔ پھر وہ اپنے بنگلے سے ہیروئن کا مرڈر کرنے کے لیے وہاں کیسے پہنچ گیا۔''

ماتحت نے کہا۔ ''سر! ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ کتنے پولیس والے صمد خان کے زر خرید ہیں۔ افسر شاہی بھی اس کی گرفت میں ہے۔ ہمارے ''را'' کے لوگ ہی رشوت لیے بغیر اس کی کڑی نگرانی کر سکتے ہیں۔''

''ہمارے ''را'' کے ایجنٹ پڑوسی ممالک میں مصروف رہتے ہیں۔ پولیس اور انتظامیہ کو سختی سے تاکید کی گئی تھی کہ صمد خان نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ تم ان کا محاسبہ کرو۔ وہ اپنے بنگلے سے نکل کر کیسے گیا اور اب کہاں ہے۔ کب تک واپس آئے گا؟''

☆======☆======☆

بمبئی سے گوا جانے کے لیے لانچ کی روانگی کا وقت ہو رہا تھا۔ اسد اور مایا اس لانچ کے مسافر تھے۔ صمد خان نے اپنے ماتحت اجیت رائے کو حکم دیا تھا کہ اسد کو شہر سے چلے جانے کا مشورہ دے لیکن صمد خان کو جب یہ معلوم ہوا کہ چھوٹے بھائی کے ساتھ ایک سانولی عورت ہے اور وہ دونوں شادی کرنے والے ہیں تو اس نے کہا۔ ''اسد کو روکو۔ یہ شادی میں کراؤں گا۔''

اس نے اسد کی پرورش ایک بیٹے کی طرح کی تھی اور اسے جرائم کی دنیا سے دور رکھا تھا۔ اسد نے کہا۔ ''مسٹر رائے! میرے بھائی جان نے جو راستہ اختیار کیا ہے۔ اس پر وہ بڑے بڑے اختیارات حاصل کر کے چلتے ہیں۔ پولیس اور قانون سے نہیں ڈرتے لیکن مجھ سے ملتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ کہیں سے کسی دشمن کی اندھی گولی میرے سینے کے پار نہ ہو

جائے۔''

اجیت رائے نے کہا۔''ہاں وہ آپ کے صرف بھائی ہی نہیں باپ جیسے بھی ہیں۔ آپ کو کسی خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتے۔''

اسد نے کہا۔''انہیں میرا بڑا خیال ہے لیکن اب مجھے اپنے جیون ساتھی کا خیال ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری طرف آنے والی کوئی گولی مایا کو لگ جائے۔ اس لیے میں جارہا ہوں۔''

''نہیں چھوٹے صاحب! خان بھائی نے کہا ہے، پہلے وہ آپ دونوں کی شادی کرائیں گے۔''

''اب تو ہم جارہے ہیں۔ بھائی جان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوگی۔ یہ لانچ اب جانے والی ہے۔''

''آپ نے اپنے بھائی جان کو اب تک پہچانا نہیں ہے۔ لانچ کی روانگی کا وقت ہو چکا ہے اور یہ کھڑی ہوئی ہے۔ دوسرے مسافر باہر جارہے ہیں۔ ان سے ہمارے آدمی کہہ رہے ہیں کہ لانچ میں خرابی پیدا ہوگئی ہے۔''

اسد نے دیکھا واقعی دو چار کی تعداد میں مسافر جارہے تھے۔ اس نے کہا۔''اگر یہ لانچ نہیں جائے گی تو میں مایا کے ساتھ .... بس یا ٹیکسی میں چلا جاؤں گا۔''

ایسے ہی وقت اسے صمد خان کی آواز سنائی دی۔''نہیں، جانِ برادر! یہ تمہاری ہونے والی شریک حیات ہے مگر میری بہو ہے، بیٹی ہے۔ میں اسے دعاؤں کے ساتھ رخصت کروں گا۔''

صمد خان کے ساتھ ایک قاضی صاحب اور کئی مسلح افراد لانچ میں داخل ہو رہے تھے۔ اس نے کہا۔''آپ لوگ سب باراتی ہیں۔ یہاں تشریف رکھیں میں کیبن میں جا کر اپنے بھائی اور اپنی ہونے والی بہو سے کچھ باتیں کروں گا۔''

وہ اسد اور مایا کے ساتھ ایک کیبن میں آیا۔ پھر اس نے مایا کے سر پر ہاتھ رکھ کر

کہا۔''یہ مجھے پسند ہے۔ مگر پہلے یہ بتاؤ۔ تم دونوں کا ساتھ کیسے ہوا؟ یہ بچی تنہا کیوں ہے؟ کہیں تو اس کے رشتے دار ہوں گے؟''

اسد نے بتایا کہ کن حالات میں اس سے ملاقات ہوئی۔ وہ بھی اپنی پوری ہسٹری سنانے لگی۔ صمد خان نے کہا۔''بیٹی! تمہارا کوئی نہیں رہا۔ مگر آج سے ہم تمہارے سب کچھ ہیں اور تم باپ کے حوالے سے ایک مسلمان لڑکی ہو۔ پھر بھی پیدائش کے وقت تمہارے کانوں میں اذان نہیں سنائی گئی ہے۔ تمہیں کم از کم پہلا کلمہ پڑھنا بھی چاہیے اور یاد بھی رکھنا چاہیے۔''

اس نے قاضی صاحب کو کیبن میں بلا کر ساری باتیں بتائیں۔ انہوں نے بھی تائید کی، مایا کو باتھ روم میں لے جا کر اسے وضو کرایا۔ پھر کیبن میں اپنے رُوبرو بٹھا کر اسے اذان سنائی۔ کلمہ پڑھایا۔ پھر دوسرے چند افراد کو بلا کر اس کا نام مایا سے بدل کر مائرہ خاتون رکھا۔ اس کے بعد اسد سے اس کا نکاح پڑھا دیا۔

صمد خان ان کے لیے کئی قیمتی تحفے لایا تھا۔ اسد خان گوا کے ساحل انجونا میں رہتا تھا۔ صمد خان نے کہا۔''وہاں پہنچ کر مائرہ کے نام سے بینک میں اکاؤنٹ کھولنا اور اکاؤنٹ نمبر میرے پاس بھیج دینا۔ مائرہ کے نام پر لاکھوں روپے جمع ہو جائیں گے۔ میں نے یہ لانچ تم دونوں کے لیے ریزرو کرادی ہے۔ اس میں کوئی مسافر نہیں رہے گا۔ صرف تمہارے لیے مسلح گارڈز رہیں گے۔ اب جاؤ۔ خدا حافظ۔''

وہ بھائی سے اور مائرہ سے رخصت ہو کر ساحل پر آ گیا۔ لانچ وہاں سے روانہ ہو گئی۔ اس کا کیبن ان کے لیے سہاگ کا کمرا بن گیا۔ وہ دوران سفر اپنے نئے رشتے کو بڑے پیار سے مستحکم کرتے رہے اور آئندہ زندگی گزارنے کی پلاننگ کرتے رہے۔

اصل پلاننگ یہ تھی کہ مائرہ آئندہ ماں کیسے بنے گی۔ ماں بن کر دکھانا اس کے لیے ایک چیلنج بن گیا تھا۔ وہ یقین سے جانتی تھی کہ اس کے پہلے پتی کندن لال میں باپ بننے کی صلاحیت نہیں تھی۔ وہ اپنا کبھی معائنہ بھی نہیں کراتا تھا۔

ویسے مائرہ کے پیٹ میں کوئی خرابی تھی۔ دو چار مہینے میں بڑی تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ سسرال میں کندن لال نے اس پر توجہ نہیں دی۔ طلاق پانے کے .... بعد میکے آئی تو مفلسی اور محتاجی نے باقاعدہ طبی معائنے کا موقع نہیں دیا۔

اسد نے کہا۔ ''انجونا میں ایک بڑا ہسپتال ہے۔ بڑے ماہر ڈاکٹر بھی ہیں۔ میں تمہارا باقاعدہ علاج کراؤں گا۔ تم ماں بنوگی۔ میرے بچے کی ماں بنوگی۔''

وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر بولی۔ ''ہاں جب تم سے نکاح قبول کیا تو میرا یقین اور پختہ ہوگیا۔ میرے دل نے کہا، خدا یہ نہیں چاہتا تھا کہ میں غیر مسلم بچے پیدا کروں۔ ہر مذہب کے لوگ یہی چاہتے ہیں کہ اپنے اپنے دین دھرم کی نسل بڑھتی رہے۔ میرا ایمان ہے کہ میں اپنے مسلمان بچوں کی ماں بنوں گی۔''

بھارت کی آبادی کو ایک کھچڑی آبادی کہا جاسکتا ہے۔ مسلم، ہندو، سکھ اور عیسائی کے علاوہ مختلف ذاتیں اور فرقے ہیں، جو سماجی اور معاشی حالات کے تحت ایک دوسرے سے گڈمڈ ہوتے رہتے ہیں۔ اس کھچڑی ہونے اور گڈمڈ ہونے پر سیکولرازم کا دعویٰ کیا جاتا ہے کہ بھارت میں مذہبیت کو نہیں انسانیت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لہٰذا اس دیس میں تعصب اور فرقہ واریت نہیں ہے۔ اگر کہیں ہندو مسلم فسادات ہوتے ہیں تو وہ سیاست میں اپوزیشن کی شرارت سے ہوتے ہیں۔ یا پھر انتہا پسند مسلمان اور انتہا پسند ہندو آپس میں خون خرابہ کرتے ہیں۔

بھارتی پروپیگنڈا مشینری یہ کہتی ہے کہ دین دھرم کو گھر کی چاردیواری میں رکھا جائے اور باہر انسانیت رہے۔ جب کہ تہذیب کے بغیر انسانیت عمل میں نہیں آتی اور مذہب کے بغیر تہذیب کی ہدایات حاصل نہیں ہوتیں۔ سیکولرازم کا ڈھنڈورہ آسانی سے پیٹا جاتا ہے۔ لیکن ہر مذہب کے افراد چاہتے ہیں کہ ان کے ہاں غیر مذہب کی لڑکی بیاہ کر آئے۔ تاکہ اس سے اپنے دھرم کی اولاد ہو اور وہ بڑھتی اور پھیلتی ہوئی دنیا کے دوسرے ممالک تک جائے۔ جس دیس میں خاندانی منصوبہ بندی پر سختی سے عمل کرایا جاتا ہے، وہاں اس ہندو کی

نسل بندی نہیں ہوتی، جو مسلمان لڑکی سے شادی کرتا ہے تاکہ ہندوازم کی وہ طاعونی اولاد پیدا کرے جو دوسرے مذہب کی افرادی تعداد مارتی رہے۔ بڑی دوغلی حکمت عملی ہے، خاندانی منصوبہ بندی پر عمل ہو اور اپنی قوم اکثریت میں بھی رہے۔

سراغرسانی کرنے والوں کو یہ اطلاع مل گئی تھی کہ کسی بااختیار طاقتور تنظیم کی طرف سے انجونا جانے والی لانچ کو روک دیا گیا تھا۔ مسافروں کو یہ کہہ کر واپس کردیا گیا تھا کہ لانچ میں خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ بعد میں وہی لانچ صرف دو مسافروں کو مسلح گارڈز کی نگرانی میں لے گئی تھی۔

لانچ کے مالک اور عملے کو ڈرانے دھمکانے سے پتا چلا کہ صمد خان آیا تھا۔ اپنے ساتھ ایک قاضی اور مختصری بارات لایا تھا۔ وہاں ایک جوان مرد اور عورت کا نکاح پڑھایا گیا تھا۔ پھر صمد خان اپنے لوگوں کے ساتھ ساحل پر گیا تھا اور اس بڑی سی لانچ میں صرف دلہا دلہن نے سفر کیا تھا۔ دلہا کا نام اسد خان اور دلہن کا نام مائرہ خاتون تھا۔ چونکہ بند کمرے میں اذان سنائی گئی تھی اور اسے کلمہ پڑھایا گیا تھا۔ اس لیے ابھی یہ انکشاف نہیں ہوا کہ کبھی دلہن کا نام مایا تھا۔

یہ اطلاع ''را'' کے اے ڈی تک پہنچی۔ یہ تو معلوم ہوگیا کہ جو دلہا بنا تھا، وہ صمد خان کا چھوٹا بھائی اسد خان تھا۔ مگر وہ دلہن مائرہ کون تھی؟ صمد خان نے ایک تنہا لڑکی کو کہاں سے لاکر اسے اپنی بھائی کی دلہن بنایا تھا؟ یہ سوال ایسا تھا، جس کا جواب معلوم کرنا لازمی تھا۔

اگر وہ اس دیس کے عام مسلمان ہوتے ہیں انہیں فوراً گرفتار کرکے ٹارچر سیل میں پہنچا دیا جاتا۔ پھر وہاں انہیں اذیتیں دے دے کر بہت کچھ معلوم کرلیا جاتا لیکن اسد اور مائرہ کو براہ راست چھیڑنے کا مطلب یہ ہوتا کہ صمد خان کے ساتھ سیٹھ داؤد ابراہیم کو چھیڑا جارہا ہے۔ اس کے نتیجے میں مہاراشٹر کے کتنے ہی چھوٹے بڑے شہروں میں تخریب کاری شروع ہوجاتی۔

انہوں نے بڑی رازداری سے چند جاسوس اسد اور مائرہ کے پیچھے لگا دیے۔ وہ

دونوں ایک ساحلی کاٹیج میں رہتے تھے۔ وہاں پہنچنے کے دوسرے دن اسد نے کہا۔ ''چلو کسی لیڈی ڈاکٹر کے پاس چلیں تمہارا میڈیکل چیک اپ ہونا چاہیے۔''

مائرہ نے کہا۔ ''لیڈی ڈاکٹر سے یہ ضرور پوچھوں گی کہ ماں کیوں نہیں بن رہی ہوں؟''

''ابھی یہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ذرا ایک آدھ برس گزرنے دو۔''

''تم ایک آدھ برس کی بات کہتے ہو۔ میں چھ برس گزار چکی ہوں۔ ڈاکٹر سے حقیقت نہیں چھپانا چاہیے۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ میں ایک طویل عرصے سے بچے کے لیے ترس رہی ہوں۔''

''کیا تم یہ ظاہر کرنا چاہتی ہو کہ تمہاری شادی پہلے کسی اور سے ہوئی تھی؟''

''یہ کہنا ضروری نہیں ہے کہ کسی اور سے ہوئی تھی۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری شادی کو چھ برس گزر چکے ہیں اور یہ ساتواں برس ہے۔ میں نہ تو پیدائشی طور پر ہندو تھی اور نہ ہی اس دور کی تلخ باتیں زبان پر لانا چاہتی ہوں۔''

وہ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ ''ہاں یہ ڈاکٹر کو معلوم ہونا چاہئے کہ تم ماں نہیں بن رہی ہو اور یہ کہنے کے لیے یہ بھی کہنا ضروری ہے کہ ہماری شادی کو طویل عرصہ گزر چکا ہے۔''

وہ دونوں ایک بات پر متفق ہو کر شام کو ایک لیڈی ڈاکٹر کے پاس گئے۔ ڈاکٹر نے اس کا اچھی طرح معائنہ کیا۔ اس کی پوری ہسٹری سنی پھر کہا۔ ''بظاہر تو تم نارمل ہو۔ کبھی کبھی پیٹ میں جو تکلیف ہوتی ہے یہ کوئی غیر معمولی مسئلہ نہیں ہے۔ ایسا بعض عورتوں کو ہوتا ہے اور وہ ایک نہیں کئی بچوں کی مائیں بن جاتی ہیں۔''

مائرہ نے پوچھا۔ ''چھ برس گزر چکے ہیں۔ میری گود خالی کیوں ہے؟''

لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ ''بھگوان کی مرضی ہے۔ وہ دس برس بعد بھی اولاد دیتا ہے۔ کیا تمہارے شوہر نے اپنا طبی معائنہ کرایا تھا؟''

اس نے جھوٹ کہا۔ ''ہاں۔ ان کی میڈیکل رپورٹ کہتی ہے کہ یہ باپ بن سکتے

ہیں۔''

''پھر تو تمہیں بمبئی کی کسی اسپیشلسٹ سے رجوع کرنا چاہیے۔ وہ جدید آلات کے ذریعے چیک کرتے ہیں۔ وہاں تمہیں اندر کی کوئی خرابی معلوم ہوگی تو علاج میں آسانی ہو گی۔ پھر تم ماں بن سکو گی۔''

وہ دونوں کلینک سے باہر آئے۔ اسد نے کہا۔ ''میں نے کبھی اپنا میڈیکل چیک اپ نہیں کرایا۔ تم نے ڈاکٹر سے کیوں جھوٹ کہہ دیا۔''

''میں ڈاکٹر کو یہ جتانا چاہتی ہوں کہ تم ٹھیک ہو۔ مجھ میں کوئی خرابی ہے، اس خرابی کو معلوم کرنا اور دور کرنا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے۔ ہم یہاں کچھ روز گزار کر بمبئی جائیں گے۔''

''کچھ روز کے بعد کیوں؟ ہم کل جا سکتے ہیں۔ کیا تم میری نامرادیوں اور بے چینی کو نہیں سمجھ رہے ہو؟''

''خوب سمجھتا ہوں۔ تمہیں اب تک مایوسیاں ملی ہیں۔ خدا پر بھروسا رکھو۔ وہ تمہیں یہ نئی ازدواجی زندگی دے چکا ہے۔ وہی تمہیں اولاد بھی دے گا۔''

''تم ایک بات اچھی طرح سمجھو کہ جب اپنے اندر کسی خرابی کا احساس پیدا ہو جاتا ہے تو اس خرابی کا سراغ لگائے بغیر اور اس کا علاج کیے بغیر سکون نہیں ملتا ہے۔ ہمیشہ ایک کمی کا اور اپنے عیب دار ہونے کا احساس شدید ہوتا جاتا ہے۔''

اسد نے گھر آ کر اسے محبت سے بانہوں میں لے کر کہا۔ ''میں تمہاری ہر بات مانتا ہوں۔ مگر تم دیکھ چکی ہو کہ بمبئی کے حالات خراب ہیں۔ ایک تو طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے۔ دوسرے یہ کہ بھائی جان اپنے معاملات میں بری طرح الجھے ہوئے ہیں، تم سے بے حد محبت سے پیش آنے کے باوجود وہ صرف دو گھنٹے ہمارے ساتھ گزار کر چلے گئے۔ وہ نہیں چاہتے کہ بھارت کی ٹاپ سیکرٹ سروس والے ہمیں نقصان پہنچائیں یا ہمیں ان کی کمزوری بنا کر انہیں کسی معاملے میں جھکنے پر مجبور کر دیں۔''

صمد خان نے دو گھنٹے کی ملاقات میں اسے دل سے محبت اور دعائیں دی تھیں۔ اسے اپنے بھائی کی بیوی سے زیادہ بیٹی اور بہو کہا تھا، وہ قائل ہو گئی تھی کہ ایسی محبت کرنے والے بزرگ کو مشکلات میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ اس لیے وہ راضی ہو گئی۔ اس بات پر آمادہ ہو گئی کہ چند ماہ تک انتظار کرے گی۔ شاید کاتب تقدیر نے لکھ دیا ہو کہ وہ اپنے اسد خان کے ہی بچے کی ماں بنے گی۔

☆======☆======☆

رات کے نو بجے لیڈی ڈاکٹر نے اپنے گھر میں کال بیل کی آواز سنی۔ اس کے پتی نے دروازہ کھولا۔ باہر دو شخص کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے اپنی جیب سے ایک آئیڈینٹیٹی کارڈ نکال کر اسے دکھا دیا۔ پھر کہا۔ ''میں ہوں آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی۔ آپ سے درخواست ہے کہ قانون کے محافظوں سے تعاون کریں۔''

''ضرور، یہ تو ہمارا کرتو (فرض) ہے۔ پدھاریئے۔ (تشریف لائیں)۔''

وہ دونوں اس کے پیچھے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئے۔ اس نے پوچھا۔ ''میں آپ کی کیا سیوا کر سکتا ہوں؟''

''ہم آپ کی وائف ڈاکٹر صاحبہ سے دو چار باتیں کرنا چاہتے ہیں۔''

وہ اندر دوسرے کمرے میں گیا۔ پھر اپنی وائف کے ساتھ قانون کے محافظوں کے سامنے آیا۔ محافظوں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر لیڈی کو پرنام کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم نے آپ کو زحمت دی ہے۔ ہم کلینک میں بھی آ سکتے تھے لیکن ہمارا ایک سرکاری راز ہے۔ جس میں آپ کو شریک ہو کر ہم سے تعاون کرنا چاہیے۔''

''یہ ہمارا دیس ہے۔ مجھے خوشی ہوگی کہ میں آپ کے کسی کام آ سکوں گی۔''

''آج شام کو ایک مریضہ آپ کے کلینک میں آئی تھی۔ اس کا نام مائرہ ہے اور اس کے پتی کا نام اسد خان ہے۔''

''جی ہاں۔ اس نام کی ایک مریضہ آئی تھی۔ آپ اس کے بارے میں کیا پوچھنا

چاہتے ہیں؟''

''یہی کہ کس سلسلے میں آئی تھی؟''

''عورتوں کو کئی طرح بیماریاں ہوتی ہیں۔ اسے ناف کے پاس کبھی کبھی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ میں نے اس کا معائنہ کیا تھا۔ میرا تجربہ ہے کہ ایسا بعض عورتوں کو ہوتا ہے۔ کوئی تشویش کی بات نہیں ہے لیکن اسے یہ دکھ تھا کہ وہ ماں کیوں نہیں بن رہی ہے؟''

''ماں؟'' دونوں افسران نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر ایک نے پوچھا۔ ''اسے ماں بننے کا دکھ کیوں ہے؟''

''اکثر عورتوں میں ممتا بے انتہا ہوتی ہے۔ اس مریضہ مائرہ کو بھی یہ دکھ ہے کہ شادی کو چھ برس ہو گئے اور وہ............''

''چھ برس؟'' ایک افسر نے چونک کر کہا۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ اس کی شادی تو کل ہوئی تھی۔''

دوسرے افسر نے پوچھا۔ ''کیا اس نے یہ کہا ہے کہ یہ اس کی دوسری شادی ہے؟ کیا اس نے کسی اور شوہر کے ساتھ چھ برس گزارے ہیں؟''

''جی نہیں۔ وہ میاں بیوی یعنی کہ مائرہ اور اسد چھ برس تک ازدواجی زندگی گزارتے رہے ہیں۔ اس عرصے میں وہ ماں نہ بن سکی۔ اسی لیے میرے پاس چیک اپ کے لیے آئی تھی۔''

افسر نے کہا۔ ''وہ دونوں غلط بیان دے رہے تھے۔ کل بمبئی سے آنے والی لانچ میں ان کا نکاح ہوا تھا۔ ہمیں پہلے سے یہ شبہ تھا کہ مائرہ کو کہیں سے بہلا پھسلا کر لایا گیا ہے۔ اگر اسے ماں نہ بننے کا دکھ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اس شوہر کو چھوڑ کر آئی ہے، جس کے ساتھ چھ برس تک بیوی بن کر رہ چکی تھی۔''

لیڈی ڈاکٹر کے پتی نے کہا۔ ''یہ تو دو گنہگاروں کا معاملہ ہے۔ مگر آپ اسے سرکاری راز کہہ رہے تھے؟''

''ہاں۔ وہ دونوں مسلمان میاں بیوی پاکستانی دہشت گردوں کے ایک گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔''

لیڈی ڈاکٹر نے پریشان ہو کر کہا۔ ''اوہ گاڈ! میرے کلینک میں پہلی بار ایک آتن وادی (تخریب کار) گروہ سے تعلق رکھنے والے آئے۔ آپ یقین کریں کہ میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔''

افسر نے کہا۔ ''ہمیں یقین ہے۔ اسی لیے آپ کو اس کھیل میں رازدار بنانے آئے ہیں۔ ہم اسد خان کو جانتے ہیں لیکن وہ عورت مائرہ ہمارے لیے اجنبی ہے۔ ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اصل میں کون ہے؟ وہ دیس کا دشمن اسد خان اور اس کا بھائی مائرہ کو کہاں سے لائے ہیں؟ ہم چاہتے ہیں آپ مائرہ کی اصلیت معلوم کریں۔''

لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ ''آپ مجھے گائیڈ کریں۔ جو عورت خود کو چھپا رہی ہے اس کی اصلیت کیسے معلوم کی جاسکتی ہے۔؟''

''کیا مائرہ سے دوبارہ آپ کا اپوائنٹمنٹ ہے؟''

''جی نہیں۔ میں نے اسے بمبئی جانے کا مشورہ دیا ہے۔ وہاں کے کسی ہسپتال میں جدید آلات کے ذریعے اس کا مکمل چیک اپ کیا جاسکے گا۔''

ایک افسر نے دوسرے افسر سے کہا۔ ''میرا خیال ہے صمد خان کا بھائی یہاں سے ساحلی علاقے میں اسمگلنگ کے لیے رہتا ہے۔ وہ اس بار بھی کسی خطرناک مقصد سے آیا ہے۔ مائرہ کو لے کر بمبئی نہیں جائے گا۔''

لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ ''میں ماں بننے والی عورتوں کی تڑپ اور بے چینی کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ وہ ضرور بمبئی جائے گی۔''

ایک افسر نے کہا۔ ''ابھی ایک اہم بات معلوم ہوئی کہ وہ چھ برس سے ازدواجی زندگی گزار رہی تھی۔ وہ اپنی پہلی شادی چھپا رہی ہے۔ ہم اس کے متعلق صحیح معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔''

دوسرے افسر نے کہا۔ ''یہاں وہ اسد خان کے ساتھ جس کاٹیج میں ہے۔ وہاں کا فون نمبر ہم ڈائل کرتے ہیں۔ آپ مائرہ سے کہہ سکتی ہیں کہ وہ کل دن کے ایک بجے تک کلینک میں آئے۔ آپ کے ہاں ایک بہت بڑی اور تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر آرہی ہے۔ اس نے کئی بانجھ کہلانے والی عورتوں کی گود بھر دی ہے۔ بہت کامیاب علاج کرتی ہے۔ یہ سن کر مائرہ آپ کے کلینک میں دوڑی چلی آئے گی۔''

ایک افسر نے کہا۔ ''کل دن کے گیارہ بجے تک ہماری طرف سے ایک ماہر نفسیات لیڈی ڈاکٹر آئے گی۔ کلینک کا ایک کمرا ہماری ماہر نفسیات کے لیے خالی رکھئے، وہاں کوئی عورت یا ملازم داخل نہ ہوسکے۔''

دونوں افسران اس سلسلے میں لیڈی ڈاکٹر کو سمجھانے لگے کہ اسے کس طرح ایک اہم رول ادا کرنا ہے۔ لیڈی ڈاکٹر نے ان کے بتائے ہوئے نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ ہونے پر اسد خان کی آواز سنائی دی۔ وہ بولی۔ ''میں لیڈی ڈاکٹر نرملا بول رہی ہوں۔ فون اپنی وائف کو دیں۔''

چند لمحات کے بعد مائرہ کی آواز سنائی دی۔ لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ ''تمہارے لیے ایک اچھی خبر ہے۔ کل میرے کلینک میں ایک ایسی سینئر تجربہ کار ڈاکٹر آرہی ہے جس نے اپنے علاج سے درجنوں بانجھ عورتوں کو ماں بنا دیا ہے۔ تم ملنا چاہو تو کیا میں ایک بجے دن کا وقت ملاقات کے لیے مقرر کر دوں؟''

مائرہ نے خوش ہو کر کہا۔ ''اوہ تھینک یو ڈاکٹر! آپ بہت اچھی ہیں۔ میں کل ایک بجے تک پہنچ جاؤں گی۔''

مائرہ نے ریسیور رکھ کر اسد کو یہ خبر سنائی۔ وہ بولا۔ ''چلو اچھا ہے۔ وہ تجربہ کار ڈاکٹر تمہیں مطمئن کر دے تو مجھے خوشی ہوگی۔''

''وہ بانجھ عورتوں کو اپنے علاج سے ماں بنا دیتی ہے اور میرا دل کہتا ہے کہ میں بانجھ نہیں ہوں۔''

وہ ہنس کر اسے اپنی آغوش میں لے کر بولا۔ ''تم دیوانی ہو۔ تمہاری پہلی اور آخری خواہش ایک بچہ ہے۔ تم مجھے باپ بنا کر رہو گی۔''

پھر وہ کچھ سوچ کر بولا۔ ''ہم نے لیڈی ڈاکٹر کو اپنا فون نمبر نہیں بتایا تھا۔ اسے یہ نمبر کیسے معلوم ہو گیا؟''

''معلوم کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ یہ انجونا ایک ساحلی بستی ہے۔ یہاں چند گھروں میں ٹیلی فون ہیں۔ اس نے کسی طرح معلوم کر لیا ہوگا۔ یہ کوئی بہت زیادہ حیرانی کی بات تو نہیں ہے۔ یہ تو اس کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھے یاد رکھا۔''

وہ دوسرے دن کے انتظار میں رات کو بڑی دیر تک کروٹیں بدلتی رہی۔ بار بار گھڑی دیکھتی رہی کہ کتنی دیر میں ایک بجنے والا ہے۔ پھر وہ ضد کر کے گیارہ بجے ہی اسد کے ساتھ گھر سے نکل گئی۔ کلینک میں آ کر لیڈی ڈاکٹر کو اپنی آمد کی اطلاع دی۔ ڈاکٹر نرملا نے اسے بلایا پھر مسکرا کر پوچھا۔ ''بہت بے چین ہو؟ اتنی جلدی چلی آئیں۔ وہ سینئر ڈاکٹر سلطانہ محمود دوسری مریضوں کو اٹینڈ کر رہی ہیں تمہاری باری آئے گی تو بلایا جائے گا۔ انتظار کرو۔''

وہ اسد کے پاس ویٹنگ روم میں آ کر بیٹھ گئی۔ پھر بولی۔ ''وہ ڈاکٹر صاحبہ آ گئی ہیں۔ دوسری عورتوں کو اٹینڈ کر رہی ہیں۔''

''میں نے پہلے کہا تھا، جو ڈاکٹر اسپیشلسٹ ہوتی ہیں، وہ وقت کی پابند ہوتی ہیں۔ چلو یہاں ساحل پر گھوم آئیں۔''

''ابھی نہیں۔ پتا نہیں وہ کس وقت بلا لے۔''

اسد مسکرانے لگا۔ وہ بولی۔ ''یہ جو اسپیشلسٹ ہے، اس کا تو ہم نے نام ہی نہیں پوچھا تھا۔ ابھی معلوم ہوا ہے کہ مسلمان ہے۔ سلطانہ محمود نام ہے۔''

''ڈاکٹر ہندو ہو یا مسلمان، کوئی فرق نہیں پڑتا بشرطیکہ وہ اپنے پیشے میں دیانت دار ہو۔ ہم کسی کے اندر جھانک کر نہیں دیکھ سکتے کہ وہ متعصب ہے یا نہیں؟''

وہ خاموش رہی۔ اسے دلی اطمینان سا ہو رہا تھا کہ ایک مسلمان لیڈی ڈاکٹر ذرا توجہ

سے اس کا علاج کرے گی۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ خون کے رشتے معتبر ہوتے ہیں، تہذیبی رشتے فخریہ ہوتے ہیں اور مذہبی تعلقات پر اندھا اعتماد ہوتا ہے۔ اسے ایک بجے ڈاکٹر سلطانہ کے چیمبر میں بلایا گیا۔ وہ اندر آئی تو ڈاکٹر نے بڑی محبت سے بیٹھنے کو کہا۔ وہ شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئی، اس نے پوچھا۔ ''تمہارا نام مائرہ اسد ہے؟''

''جی ہاں۔ آپ کو ڈاکٹر نرملا نے بتایا ہوگا کہ میں ماں بننے کے لیے کیسی باؤلی ہو رہی ہوں۔''

''میں سب سے پہلے یہی پوچھوں گی کہ تمہارے اندر ماں بننے کی اتنی شدید خواہش کیوں ہے؟ عقل کا تقاضا ہے کہ کسی چیز کی خواہش شدت سے نہ کی جائے۔''

''آپ میرے جیسی خاتون ہیں۔ یہ سمجھ سکتی ہیں کہ عورت ماں بننے کے معاملے میں عقل سے کم اور جذبات سے زیادہ سوچتی ہے۔''

''واہ، تم نے تو مجھے قائل کر دیا۔ ویسے اس کلینک میں تم پہلی خاتون ہو، جو میری ہم مذہب ہو۔ پتا نہیں کیوں ایک مسلمان کی حیثیت سے تم سے ایک خاص لگاؤ محسوس کر رہی ہوں۔''

''میں یہاں آنے سے پہلے اپنے شوہر سے یہی کہہ رہی تھی کہ آپ کا نام سن کر مجھے دلی اطمینان ہو رہا ہے۔''

''میں تمہارے دلی اطمینان کے لیے دل سے تمہارا علاج کروں گی۔ آؤ تمہارا چیک اپ کروں.........''

وہ پارٹیشن کے پیچھے ایک بیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔ ڈاکٹر سلطانہ اس کا معائنہ کرنے لگی۔ اس نے معائنے کے دوران اچانک سوال کیا۔ ''شادی کب ہوئی؟''

''پرسوں۔'' بے اختیار اور انجانے میں وہ بولی۔ پھر سنبھل کر کہنے لگی۔ ''وہ میرا مطلب ہے۔ چھ برس پہلے ہوئی تھی۔ مگر شوہر سے ایسا پیار ملتا ہے جیسے کل یا پرسوں کی شادی کا پہلا پہلا پیار مل رہا ہے۔''

''تم باتوں کی ماہر ہو۔ میں بدن کے چیک اپ کی ماہر ہوں اور ڈاکٹر نرملا نے شاید یہ نہیں بتایا کہ میں ماہر نفسیات بھی ہوں اور یقین سے کہتی ہوں کہ تمہیں شادی کا پہلا پہلا پیار اب مل رہا ہے۔ پہلے نہیں ملتا تھا۔ کیوں کہ ایسا پیار دینے والا شوہر پہلے نہیں تھا۔''

''آں؟ یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ میں سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔''

''تم سمجھ رہی ہو۔ اگر مجھے صحیح حالات نہیں بتاؤ گی تو صحیح علاج نہیں ہو سکے گا۔ چلو اب اٹھ جاؤ۔''

وہ بیڈ پر سے اٹھ کر پارٹیشن کے باہر کرسی پر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر سلطانہ نے میز کی دوسری طرف اپنی کرسی پر آ کر کہا۔ ''علاج کے لیے سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ اپنے ڈاکٹر سے کوئی بات نہ چھپائی جائے۔ اگر کوئی خوف ہو اور اندیشہ ہو کہ تمہارا کوئی راز اس چیمبر سے باہر جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ تم مجھے اپنی مسلمان بہن نہیں سمجھ رہی ہو۔''

وہ جلدی سے بولی۔ ''یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ آپ اتنی بڑی ڈاکٹر ہو کر مجھے بہن سمجھ رہی ہیں۔''

پھر ڈاکٹر بتانے لگی کہ اس کے پاس کیسی کیسی بانجھ عورتیں آ چکی ہیں اور مائیں بن کر جا چکی ہیں۔ مائرہ سن رہی تھی اور متاثر ہو رہی تھی پھر وہ، بہن بننے والی اور بانجھ عورتوں کو ماں بنانے کا معجزہ دکھانے والی لیڈی ڈاکٹر کو بتانے لگی کہ اسد خان سے اس کی دوسری شادی ہوئی ہے۔ اس سے پہلے وہ چھ برس تک دوسری جگہ ازدواجی زندگی گزار چکی ہے۔

''شاباش! تم مجھ پر بھروسا کر رہی ہو۔ میں تمہاری گود میں ضرور پھول کھلاؤں گی۔ اپنے پہلے شوہر کے متعلق بتاؤ۔ اس کی صحت کیسی تھی؟ کیا وہ بیمار رہتا تھا؟ بعض مرد بہت زیادہ عیاشی کے باعث باپ بننے کے قابل نہیں رہتے۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔ وہ شخص صحت مند تھا لیکن باپ بننے کے سلسلے میں میڈیکل چیک اپ نہیں کراتا تھا۔ ڈاکٹروں کو نہیں مانتا تھا۔ خود ہی پنڈت اور وید............''

وہ کہتے کہتے ٹھٹک گئی۔ ڈاکٹر سلطانہ نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ جلدی سے بات بنا

کر بنا کر بولی۔ ''وہ ایک پنڈت اور وید سے اپنا علاج کراتا رہتا تھا۔''

ڈاکٹر سلطانہ ایک تڑپ چال چلتی ہوئی بولی۔ ''صرف علاج سے کیا ہوتا ہے۔ اسے گوشت اور مچھلی وغیرہ بھی کھانا چاہیے تھا۔''

''جی ہاں۔ مگر وہ گوشت اور مچھلی نہیں کھاتا تھا۔''

''میری بہن صاف بولو۔ مجھ سے نہ چھپاؤ، وہ ہندو برہمن تھا۔ اکثر ہندو تو کھا لیتے ہیں لیکن برہمن کبھی گوشت یا دوسری کوئی بساند والی چیز نہیں کھاتے۔''

مائرہ نے سر جھکا لیا۔ جو نہیں کہنا چاہتی تھی، وہ کہنے کے لیے ڈاکٹر کی چکنی باتوں سے پھسل رہی تھی۔ ڈاکٹر سلطانہ نے دردبھری آواز میں کہا۔ ''معلوم ہوتا ہے، میری اور تمہاری داستان ایک جیسی ہے۔ جب میں جوان تھی تو ایک دولت مند کے غنڈوں نے مجھے اغوا کر کے اس کے پاس پہنچا دیا تھا۔ میں ایک میڈیکل کالج کی طالبہ تھی۔ اس نے مجھے داشتہ بنا کر رکھا لیکن میری تعلیم مکمل کرا دی۔ مجھے لیڈی ڈاکٹر بنا دیا۔ اس نے میری ساتھ نیکی بھی کی اور برائی بھی۔ میں ایسی نیکی سے خوش نہیں ہوں، جو برائی کے ساتھ کی گئی ہے اور میں یقین سے کہتی ہوں کہ تم بھی خوش نہیں ہو۔''

مائرہ نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کہا۔ ''آپ درست کہتی ہیں۔ میں ماضی کو بھول جانا چاہتی ہوں۔''

''بے شک بھول جانا چاہیے لیکن ماں بننا چاہتی ہو تو مجھ سے کھل کر باتیں کرو۔ تم نے اس سے نجات کیسے حاصل کی؟''

''اس نے مجھے خود ہی طلاق دی تھی۔''

''طلاق؟ یعنی کہ ایک ہندو سے باقاعدہ تمہاری شادی ہوئی تھی؟''

''ہاں۔ پہلے میں ہندو بھی تھی اور مسلمان بھی۔ اپنی پیدائش کے بعد سے اب تک میں خود کو ہندو ہی سمجھتی رہی۔ اگر طاعون کی وبا نہ پھیلتی اور وہ لوگ میرے باپ کو نہ جلاتے تو کبھی انکشاف............ نہ ہوتا کہ وہ مسلمان تھے اور میں ایک مسلمان زادی ہوں۔''

وہ ٹھہر ٹھہر کر اپنی پچھلی زندگی کی روداد سناتی چلی گئی۔ ڈاکٹر اس سے کرید کرید کر پوچھتی رہی۔ اس نے کندن لال کا نام پتا اور دوسری تمام تفصیلات اسے بتا دیں اور خدا کا شکر ادا کرنے لگی کہ اسے اپنے دین کی صحیح پہچان اور صحیح منزل سے مل گئی ہے۔

ڈاکٹر سلطانہ نے اسے ایک نسخہ لکھ کر دیتے ہوئے کہا۔ ''میرا تجربہ کہتا ہے کہ تم بانجھ نہیں ہو۔ ضرور ماں بنوگی۔ پہلے یہ دوائیں کھاؤ۔ میں ان کا ردِعمل دیکھنے کے بعد شاید تمہیں خوشخبری سنا سکوں گی۔''

وہ خوش ہو کر اس کا شکریہ ادا کر کے پھر سلام کر کے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد ڈاکٹر سلطانہ نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر وہاں سے چلتی ہوئی دوسرے کمرے میں آئی۔ وہاں آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی اپنے دو ماتحتوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ ''ڈاکٹر ششما تم واقعی ماہر نفسیات ہو۔ تم نے بڑی خوبصورتی اور مہارت سے اس کی اصلیت اگلوائی ہے۔''

وہ جواباً مسکرا کر بولی۔ ''لوہا لوہے کو کاٹتا ہے۔ اسی لیے میں نے مسلمان بن کر اس مسلمان بننے والی سے سب کچھ اگلوا لیا۔''

''یہ صرف سرکاری یا سیاسی نہیں مذہبی معاملہ ہے۔ اسے اوپر تک پہنچانا ہوگا۔''

وہ افسر اپنے اوپر والوں سے رابطہ کرنے لگا۔ بھارت میں ہندوؤں کے بعد سب سے بڑی آبادی مسلمانوں کی ہے۔ مسلمان اتنی بڑی اقلیت ہیں کہ الیکشن کے دوران مسلمانوں کے ووٹوں کی اکثریت سیاسی پارٹیوں میں ہلچل پیدا کر دیتی ہے۔

پاکستان کے قیام کے بعد آج بھی ایسا لگتا ہے جیسے تمام مسلمان کسی ایک صوبے میں یکجا ہو جائیں تو الیکشن میں کامیاب ہو کر وہاں ایک مکمل اسلامی صوبائی حکومت قائم کر لیں گے۔ پھر یہی لگے گا کہ بھارت کے اندر ایک صوبے میں منی پاکستان قائم ہو گیا ہے۔ اس خوف سے بھارت کی سیاست میں مسلمانوں کو بے روزگار رکھنے، ناخواندہ بنانے، مختلف علاقوں میں منتشر کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔

شہروں میں رہنے والے مسلمان تو کسی حد تک اپنی مذہبی شناخت برقرار رکھتے ہیں۔ مگر دیہاتوں میں انہیں بری طرح پسماندہ رکھا جاتا ہے۔ انہیں پوجا پاٹھ میں حصہ لینے کو کہا جاتا ہے۔ تاکہ بھوکے رہنے والے مسلمان بچے پوجا کے پرساد سے پیٹ بھر سکیں۔ وہاں ان کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوتا۔ جن کے ماتھ پر تلک لگا نہیں ہوتا ان کے مقدر میں موت لکھ دی جاتی ہے۔

مایا باپ کے حوالے سے مسلمان تھی لیکن بائیس برس تک ایک ہندو رہ کر زندگی گزار چکی تھی۔ اتنے عرصے تک اس کا ہندو رہ کر پھر مسلمان بن جانا ناقابل برداشت تھا۔ وشوا ہندو پریشد نے اودے پور اور بھلوارہ وغیرہ میں ہزاروں مسلمانوں کو ہندو بنایا تھا۔ اس کے برعکس اپنی پیدائش سے ہندو رہنے والی مایا نے اسلام قبول کیا تھا۔

پولیس انٹیلی جینس والے مایا اور............ اسد خان کی کھال اتار سکتے تھے لیکن ایک مجبوری تھی کہ اپوزیشن والے داؤد ابراہیم کے ذریعے پورے مہاراشٹر پر چھائے ہوئے تھے۔ حکمرانوں کی ایک رائے یہ بھی تھی کہ السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا کے انکشاف کے بعد کہ خاصی تعداد میں مسلمانوں کو ہندو بنایا گیا ہے، پاکستان نے اس کا انتقام لیا ہے اور بمبئی میں بم دھماکے کرائے ہیں۔

بھارت کے جس صوبے یا علاقے میں گڑبڑ ہوتی ہے، وہاں اسے پاکستان کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ اپنی حکومت قائم رکھنے کے لیے حکمران ایسے بیانات دیتے ہیں۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ پاکستان میں بھی جہاں تخریبی کارروائی ہوتی ہے، وہاں حکمرانوں کو ''را'' کا ہاتھ دکھائی دیتا ہے۔ جب کہ دوسری مافیا ٹائپ کی ایجنسیاں ان ممالک کے حکمرانوں کی کمزوریوں سے کھیلتی ہیں اور کروڑوں اور اربوں ڈالرز کا منافع حاصل کرتی ہیں۔ ان میں ایک داؤد ابراہیم کی ایجنسی تھی۔ حکمرانوں نے اب ''را'' کے ذریعے کوششیں شروع کی تھیں کہ ایک ایسی ایجنسی کو جس کا سربراہ ایک مسلمان ہے، اسے مہاراشٹر سے اکھاڑ پھینکا جائے۔

داؤد ابراہیم یوں تو مسلمان ہے۔ دبئی میں ایک سترہ فلور کی عمارت کی بارھویں منزل پر اس کا عالیشان دفتر ہے، اس دفتر کی دیواروں پر قرآنی آیات، طغرے اور مقدس مقامات کی تصویریں آویزاں ہیں۔ وہ بعض دینی احکامات پر عمل بھی کرتا ہے۔ مگر اپنے دھندے میں مذہب کو کم اور منافعے کو زیادہ دیکھتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں سے نفرت کرنے والی شیوسینا جیسی متعصب پارٹی کے لیے بھی بھاری معاوضہ لے کر کام کرتا ہے۔ حکمرانوں کے مشیر یہ سمجھاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہے اور بھارتی مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف بی جے پی اور شیوسینا کو توانائی پہنچا رہا ہے۔ مہاراشٹر میں ان کا پلڑا بھاری کر کے حکمرانوں پر دباؤ ڈالتا رہتا ہے۔

ان حالات کے پس منظر میں پولیس اور انٹیلی جنیس والے مایا اور اسد کو نہ گرفتار کر سکتے تھے اور نہ براہِ راست ان کا محاسبہ کر کے اسد کے بڑے بھائی صمد خان کو اور صمد خان کے ذریعے داؤد ابراہیم کو اپنے لیے مصیبت بنا سکتے تھے، ایسا کرنے سے بمبئی سے گوا تک تخریبی کارروائیاں شروع ہو جاتیں۔

یہ بات اوپر تک پہنچی تو مہاراشٹر کی برسرِ اقتدار پارٹی کے سیاستدانوں نے دہلی کے حکمرانوں سے ملاقات کی اور کہا۔ ''بظاہر یہ ایک معمولی سی بات ہے۔ ایک ہندو لڑکی مسلمان کے پاس چلی گئی۔ کوئی بات نہیں، جانے دو۔ آخر وہ ایک لڑکی اس مسلمان کے کتنے بچے پیدا کرے گی؟ اور مسلمانوں کی کتنی تعداد بڑھائے گی؟ اس ایک کو نظر انداز کرنے سے مہاراشٹر میں امن وامان رہے گا لیکن اس سلسلے میں ایک اہم نکتہ ہے۔''

اس نے نکتہ یہ بتایا کہ شیوسینا کا سربراہ بال ٹھاکرے اور دوسرے انتہا پسند ہندو کسی صورت میں مسلمانوں کو برداشت نہیں کرتے ہیں۔ داؤد ابراہیم جیسے مسلمان کو صرف حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اگر یہ زہر پھیلا دیا جائے کہ داؤد ابراہیم کا دستِ راست صمد خان درپردہ ہندو عورتوں کو مسلمان بنا رہا ہے تو انتہا پسند شیو سینا والے اسے برداشت نہیں کریں گے۔ اگرچہ وہ کھل کر داؤد ابراہیم کے گروپ کی

مخالفت نہیں کریں گے لیکن اندر ہی اندر ان کی جڑیں کاٹیں گے۔ صمد خان کے بھائی اسد اور مایا کے لیے عذاب جان بن جائیں گے۔

دوسرے سیاستداں نے کہا۔ ''ایسے وقت ہم راز داری سے داؤد ابراہیم اور صمد خان کو بتائیں گے کہ اسد اور مایا سے وہی لوگ دشمنی کر رہے ہیں، جن کی حمایت داؤد گروہ کرتا ہے۔''

دہلی کے حکمرانوں نے اس لائن آف ایکشن کی تائید کی۔ ایک نے کہا۔ ''یہ کام پوری راز داری سے ہوگا تو کامیابی ہوگی لیکن یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ آسام، بہار، مدھیہ پردیش، آندھرا پردیش، کیرالہ، منی پور، میزورام، ناگالینڈ، اڑیسہ، تامل ناڈو، سکم، تری پورہ، مشرقی پنجاب، جموں وکشمیر اور مغربی بنگال کی ریاستوں نے کرش انڈیا الائنس کا نعرہ بلند کر رکھا ہے۔ یہ لوگ سیکولرازم اور اہنسا کے بارے میں مغربی دنیا کو بتا رہے ہیں کہ یہ سب ڈھونگ ہیں۔ ابھی تک مہاراشٹر کے انتہا پسند ہندو ان کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں۔ جب داؤد ابراہیم کی ہندو شیوسینا والوں سے ٹھن جائے گی تو پھر.......... وہ مکار داؤد کرش انڈیا الائنس والوں کی پشت پناہی شروع کر دے گا۔''

ایک سیاستدان نے کہا۔ ''ایسا نہیں ہوگا۔ ہم بڑی راز داری سے کام لیں گے۔ داؤد ابراہیم اور صمد خان کو اپنے خلاف کوئی کارروائی کا موقع نہیں دیں گے۔''

اس اجلاس میں یہ طے ہو گیا کہ داؤد ابراہیم کی ایجنسی کو کرش انڈیا الائنس کی سمت رخ نہیں کرنے دیں گے۔ دوسری بات یہ کہ صمد خان اور شیوسینا کے درمیان تصادم کرائیں گے اور مایا کو بڑی حکمت عملی سے پھر اپنے ہندو دھرم کی طرف لے آئیں گے۔

☆======☆======☆

مائرہ عرف مایا بہت خوش تھی۔ اس نے ڈاکٹر سلطانہ کے متعلق اسد کو بتایا کہ وہ کتنی مہربان اور محبت کرنے والی ہے۔ اس نے اسے بہن بنایا ہے اور جو دوائیں اس نے لکھ کر دی ہیں، ان کے استعمال کے بعد وہ ضرور ماں بنے گی۔

اسد نے اسے اپنی آغوش سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ ''چلو چھٹی ہوئی۔ اب میری ضرورت نہیں رہی۔ یہ دوائیں تمہاری گود بھر دیں گی۔''

''میں اتنی خوش ہوں اور تم اتنی اہم بات کو مذاق میں ٹال رہے ہو۔''

''اچھا یہ بتاؤ۔ تم نے کبھی اپنی خوشی کے آگے میری خوشی کے متعلق پوچھا ہے؟''

اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ ''کیا ہے تمہاری خوشی؟''

''اب میں کیا بتاؤں؟ تمہیں خود سمجھنا چاہیے۔ دنیا کے کسی مرد سے بھی پوچھا جائے تو وہ کہے گا کہ شادی کے پہلے ایک دو برس تک میاں بیوی کو صرف رومانس کرنا چاہیے۔ کسی تیسرے کی شرکت کے بغیر آزادی سے خوب گھومنا پھرنا اور انجوائے کرنا چاہیے۔''

مائرہ کا چہرہ اتر گیا۔ اس نے پوچھا۔ ''ہوں، تو یہ ہے تمہاری خوشی؟ تم نے پہلے تو کبھی ایسا نہیں کہا؟''

''میں کیا کہتا؟ بچے کے لیے تمہاری دیوانگی دیکھ کر پہلے بھی چپ ہو جاتا تھا۔ اب بھی چپ ہوں۔''

''اب تو چپ نہیں ہو۔ اندر کی بددعا زبان پر لا رہے ہو۔''

''پلیز۔ بددعا جیسا لفظ استعمال نہ کرو۔ تم سے محبت کرنے والی یہ زبان کبھی بددعائیں دے سکتی..........''

''رہنے دو۔ مجھے تمہاری خوشی معلوم ہو گئی ہے۔ میں جو دوائیں لائی ہوں، انہیں پھینک دوں گی۔''

''فضول باتیں نہ کرو، تم دوائیں ضرور کھاؤ گی۔ مگر ایک بات اچھی طرح سمجھ لو۔ اولاد دواؤں سے نہیں، مجھ سے ہو گی۔''

''ایسا ہی تھا تو پھر لیڈی ڈاکٹر کے پاس کیوں لے گئے تھے''

''میں کیسے سمجھاؤں کہ تمہاری خوشی میں میری خوشی ہے۔ کیا تم ماں بنو گی تو میں باپ نہیں کہلاؤں گا۔ میں تو فخر محسوس کروں گا۔ تم تو صرف دودھ پلاؤ گی۔ میں تو اسے گود میں

لیے دنیا کو دکھاتا پھروں گا۔ چلو غصہ تھوک دو۔''

ان کے درمیان تھوڑی دیر ناراضگی رہی۔ پھر آپس میں صلح ہو گئی۔ تیسرے دن ڈاکٹر ششما عرف سلطانہ سے اپائنٹمنٹ تھا ڈاکٹر نے پوچھا۔ ''کیا ان دواؤں کے استعمال کے بعد پیٹ میں تکلیف ہوئی تھی؟''

بس یونہی معمولی سی تکلیف ہوئی تھی پھر آرام آ گیا تھا۔''

''تمہارے کچھ ٹیسٹ کرانے ہوں گے۔ پھر معلوم ہو گا کہ یہ تمہاری ناف کے پاس درد کیوں ہوتا ہے؟''

ایک ہفتہ تک مختلف قسم کے ٹیسٹ ہوتے رہے۔ پھر ڈاکٹر ششما نے کہا۔ ''تمہارا کیس ذرا پیچیدہ ہے۔ میں بمبئی واپس جا رہی ہوں۔ اگر تم وہاں آ سکو تو جو بھی پیچیدگی ہے، وہ دور ہو جائے گی۔''

''میں ماں بننے کے لیے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا سکتی ہوں لیکن اپنے شوہر کو راضی کرنا ہو گا۔ پتا نہیں وہاں کتنے دنوں تک رہنا پڑے؟''

''زیادہ سے زیادہ دو دن رہو گی۔ وہاں بڑے بڑے ڈاکٹر اور جدید آلات ہیں۔ بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ بیماری کیا ہے اور علاج کیسے کرنا چاہیے۔ تم اپنے شوہر کو راضی کر لو۔''

''صرف دو دنوں کی بات ہے تو میں راضی کر لوں گی۔ آپ بتائیں، بمبئی کے کس ہسپتال میں آنا ہو گا۔''

ڈاکٹر ششما نے اسے ایک کارڈ دیا۔ پھر کہا۔ ''ہسپتال میں چلی آؤ۔ میں وہاں میٹرنٹی سیکشن کی انچارج ہوں۔ تمہارا کام فوراً کرا دوں گی۔''

وہ کارڈ لے کر اسد کے پاس آئی۔ پھر اپنے کاٹیج کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ ''ہم صرف دو دنوں کے لیے بمبئی جائیں گے۔''

''کیا لیڈی ڈاکٹر نے مشورہ دیا ہے؟''

''ڈاکٹر کی کیا بات ہے؟ کیا میری خواہش ہو گی تو نہیں چلو گے؟''

''سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے لیکن صاف کہو نا کہ وہاں علاج کے سلسلے میں جانا چاہتی ہو۔''

''ہاں۔یہی صاف بات ہے۔''

''لیکن دو دنوں میں علاج .... کیسے ہو گا؟ وہ جو کہتے ہیں نا کہ مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی تو پھر تم ہی بتاؤ۔شاعر کی بات درست ہوئی تو کیا ہو گا؟''

''خدا نہ کرے کہ مرض بڑھے، آپ زبان سے برے کلمات کیوں نکالتے ہیں۔میں بچے سے آپ کی بیزاری دیکھ رہی ہوں۔''

''مجھ سے قسم لے لو۔میں بیزار نہیں۔تمہارے ماں بننے کا منتظر ہوں مگر میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہاں بھائی جان کس طرح خطرات سے کھیلتے رہتے ہیں۔پہلے ہمیں ان سے اجازت لینی ہو گی۔''

''میں ابھی گھر پہنچ کر بھائی جان سے خود فون پر بات کروں گی۔''

''ایسی حماقت نہ کرنا۔تم بھول جاتی ہو۔تمہیں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ ان کی فون کال ٹیپ ہوتی رہتی ہیں۔بھائی جان یہ نہیں چاہیں گے کہ دشمنوں کو ہمارے بمبئی آنے کا علم ہو۔''

''تو پھر صاف کہہ دیں کہ ہم وہاں نہیں جا سکتے۔''

''بھئی غصہ نہ دکھاؤ۔تم پر پیار آتا ہے۔میں اجیت رائے کے موبائل فون پر بات کروں گا۔خوش ہو جاؤ۔''

وہ مسکرانے لگی۔اسد نے کاٹیج میں پہنچ کر اجیت رائے سے رابطہ کیا۔پھر اسے بتایا کہ مائرہ کے علاج کے لیے بمبئی آنا ضروری ہے۔لہٰذا بھائی جان کو اطلاع دی جائے اور ان سے اجازت لی جائے۔

ایک گھنٹے بعد فون پر جواب ملا کہ انتظار کیا جائے۔ان دونوں کے لیے سیکیورٹی

گارڈز بھیجے جا رہے ہیں۔مائرہ خوش ہو گئی۔سفر کی تیاریاں کرنے لگی۔اسد کچھ فکرمند سا ہو رہا تھا۔وہ بولی۔''کیا تم خوش نہیں ہو؟''

وہ بولا۔''مجھے غلط نہ سمجھو۔میں یہ اچھی طرح سمجھ رہا ہوں کہ وہاں خطرہ ہے۔بھائی جان تمہیں بہت چاہتے ہیں، محض تمہارے علاج کی خاطر آنے کی اجازت دے رہے ہیں۔اس لیے سیکیورٹی گارڈز بھیجے جا رہے ہیں۔''

وہ پلنگ کے سرے پر بیٹھ کر بولی۔''سورت میں طاعون کی وبا گلی گلی اور گھر گھر میں جھانکتی پھر رہی تھی۔وہاں کے جراثیم میرے ذریعے تمہیں بھی لگ سکتے تھے۔مگر ہم دونوں بخیریت ہیں۔''

''میں مانتا ہوں کہ موت مقررہ وقت سے پہلے نہیں آتی۔مگر ہم نہیں جانتے کہ وہ مقررہ وقت اور مقررہ جگہ کہاں ہو؟ یہاں انجونا کے ساحل پر یا بمبئی میں۔''

وہ تھوڑی دیر تک سر جھکائے بیٹھی رہی۔پھر بولی۔''تمہارا بمبئی جانا ضروری نہیں ہے۔علاج تو مجھے کرانا ہے۔میں ان سیکیورٹی گارڈز کے ساتھ چلی جاؤں گی۔''

وہ غصے سے بولا۔''کیا مجھے بزدل سمجھتی ہو؟ مجھے اپنی نہیں، تمہاری جان کی فکر ہے۔میں زندگی میں کبھی کسی عورت کے اتنے قریب نہیں رہا جتنا کہ تمہارے قریب ہوں اور اب یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ عورت کو سیدھا سمجھاؤ تو وہ الٹا سمجھتی ہے۔میں تمہیں دل کی گہرائیوں سے کتنا چاہتا ہوں، یہ تمہارے جیسی احمق کبھی نہیں سمجھے گی۔''

وہ رونے لگی۔اسد نے کہا۔''بڑی مشکل ہے۔عورت کو غصہ دکھاؤ، تب بھی روتی ہے۔پیار جتاؤ، تب بھی روتی ہے۔''

وہ روتی ہوئی بولی۔''میں اس بات پر رو رہی ہوں کہ تمہارے پیار کو دیر سے سمجھتی ہوں۔تمہیں ناراض کر کے پچھتانے لگی ہوں۔''

وہ مسکرا کر اس کے پاس آیا۔پھر بیٹھ کر اس کے آنسو پونچھنے لگا۔رات کے گیارہ بجے ان کے کاٹیج کے پاس پانچ گاڑیاں آئیں چار گاڑیوں میں مسلح افراد تھے۔پانچویں

ایک کار تھی۔ مائرہ اور اسد اس کار میں بیٹھ گئے۔ پھر وہ قافلہ بمبئی کے لیے روانہ ہوگیا۔ آگے پیچھے دو دو گاڑیوں کے درمیان ان کی کار تھی۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ دشمنوں کی سازش کے تحت وہ بمبئی کا سفر کر رہے ہیں۔

صمد خان بھی کسی سازش کے بارے میں ابھی کچھ نہیں جانتا تھا۔ مگر یہ جانتا تھا کہ چھوٹا بھائی اسد، مائرہ کو ہسپتال لے جائے گا تو دشمنوں سے چھپا نہیں رہے گا۔ اس لیے ان کے ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی اس نے حفاظتی انتظامات کر دیے تھے۔

☆======☆======☆

ایک بہت بڑی عمارت میں انٹیلی جنس کا وہ دفتر تھا۔ بے شمار جاسوس مرد، عورتیں اور ان کے ماتحت اپنے اپنے چیمبروں کی میزوں پر فائلیں پڑھ رہے تھے یا ٹائپ کر رہے تھے یا پھر کمپیوٹر کے ذریعے مطلوبہ معلومات حاصل کر رہے تھے۔ دو چار قیدی بھی تھے جو پولیس اور جاسوس کی نگرانی میں ایک دفتر سے دوسرے دفتر کی طرف جا رہے تھے۔ ایک پنڈت دو پولیس افسروں کے درمیان چلتا ہوا، ان کام کرنے والوں کی بھیڑ سے گزرتا ہوا ایک زینے سے اترنے لگا۔

زیر زمین بڑے افسران کے دفاتر اور کنفیس روم وغیرہ تھے، جہاں مجرموں سے ان کے جرائم کے سلسلے میں پیچیدہ سوالات کیے جاتے تھے اور ان سے اقبال جرم کرایا جاتا تھا۔ ایسے ہی ایک کنفیس روم کا دروازہ کھول کر پنڈت کو اندر پہنچایا گیا۔ اندر ایک بڑی سی میز کے اطراف دو افسران بیٹھے ہوئے تھے۔ تیسری کرسی خالی تھی۔ پنڈت کو اس پر بیٹھنے کے لیے کہا گیا۔ وہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

''اجی! یہ میرے کو کون سی جگہ لے کو آئے ہیں۔ مئی تو ایک سیدھا سادہ پنڈت ہوں۔ ادھر تو چوراں بدمعاشاں دکھائی دیتے ہیں۔''

ایک افسر نے بھاری بھرکم آواز میں کہا۔ ''جو سوال پوچھا جائے، صرف اس کا جواب دو۔ اپنی طرف سے فضول باتیں نہ کرو۔''

دوسرے افسر نے پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

پنڈت نے کہا۔ ''اجی! یہ بھی کوئی کٹھن سوال ہے؟ میرا نام مجھی سے پوچھتے ہیں۔ مئی

جب پیدا ہوا تھا تو میرا نام کندن لال رکھا۔ یہ مئی نہیں رکھا۔ میرے ماتا پتا نے رکھا۔ پھر مئی دھارمک ودیا پڑھتے پڑھتے اب پنڈت شنکرم کندن لال بن گیا جی!"

افسر نے ڈانٹ کر کہا۔ "بہت بولتے ہو۔ جتنی بات پوچھی جائے صرف اتنا ہی جواب دو۔ تمہاری شادی کب ہوئی تھی؟ اور کس سے ہوئی تھی؟"

"اجی! مئی پنڈت ہوں۔ میرے سے پوجا پاٹھ کی باتاں کرو۔ شادی تو گھر کی باتاں جی! گھر کے باہر مندر اور مندر میں بھگوان اور مئی تو ہنومان کا بھگت ہوں جی۔ آپ تو جانتے ہیں۔ ہنومان کے بھگت شادی نئی کرتے۔ بال برہمچاری رہتے ہیں۔"

"بکواس مت کرو۔ تم نے مایا نام کی لڑکی سے شادی کی تھی۔"

"یہ تو گھر کی باتاں جی! میرے ماتا پتا نے جبردستی کر دی۔ میں ڈنڈ بیٹھک کرتا تھا۔ وہ مایا آ کے میرے کو ڈنڈ بیٹھک کرانے لگی۔ مئی تو پسینہ پسینہ ہو گیا جی۔ مگر چھ برس میں ایک بھی بچہ نہیں ہوا۔"

"کیا تم نے اپنا میڈیکل چیک اپ کرایا تھا؟"

"وہ کیا ہوتا ہے جی؟"

"ہمارا مطلب ہے۔ تم کبھی ڈاکٹر کے پاس گئے تھے؟ کبھی کسی ڈاکٹر سے پوچھا تھا کہ تم باپ بننے کے قابل ہو یا نہیں؟"

"آپ بھی کیسی باتاں کرتے ہیں؟ میں تو آپ ہی بہت بڑا وید ہوں۔ ساری بستی والے میرے سے دوائیں لے کو جاتے ہیں۔ میری دوا ایک نمبر کا چمتکار دکھاتی ہے جی! دور دور کے گاؤں کی عورتاں میری دوا کھا کر دو دو چار چار بچے پیدا کرتی رہتی ہیں؟"

ایک افسر نے ڈانٹ کر کہا۔ "بکواس مت کرو۔ صرف اپنی بات کرو۔ تم چھ برس میں باپ کیوں نہیں بنے؟"

"یہ تو بھگوان کی مرجی ہے۔ میرے ماتا پتا مر گئے۔ مگر مئی پتا نہیں بن سکا۔ ایک دن اس کو طلاق دے کے گھر سے نکال دیا۔ بڑی منحوس تھی جی۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ وہ ایک مسلمان عورت تھی؟"

"رام رام کسی مسلمان عورت سے میرا کوئی سمبندھ نئی تھا جی! میں تو برہمن ہوں، کسی مسلمان کو چھونا میرے لیے گھور پاپ ہے۔"

"کیا تیرے سسر کا نام دھرم ویر یا دھرما نہیں تھا؟ کیا تیری ساس کا نام شانتا بائی نہیں تھا۔ کیا انہوں نے کبھی راز داری سے یہ نہیں بتایا کہ دھرما اصل میں مسلمان ہے اور اس کا نام مراد جان ہے؟"

پنڈت کندن لال نے دونوں افسران کو حیرانی سے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "یہ آپ لوگاں کون سی رام کتھا سناتے ہیں۔ جی! ادھر بستی والے بیس برس سے دھرما کو، شانتا بائی کو ہندو جانتے ہیں۔ آپ اتنے پڑھے لکھے لوگاں، آپ کو نئی معلوم کہ دھرم اور شانتا ہندو نام ہیں! مسلمان نئی۔"

ایک افسر نے بیزار ہو کر کہا۔ "تمہیں سمجھایا گیا ہے کہ کم بولو۔ تم نہیں جانتے، وہ دھرما ایک مسلمان تھا۔ ہم جاسوس ہیں۔ تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ وہ مایا جو تمہاری دھرم پتنی تھی، اس نے ایک مسلمان سے شادی کر لی ہے۔"

"ہے رام رام! میرا من نہیں مانتا۔ وہ کنبہ بیس برس تک ہندو تھا۔ پھر مسلمان کیسے ہو گیا۔ ہمارے اکھنڈ بھارت میں یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ لوگاں ہماری عورتوں سے شادی کر کے مسلمان بچے پیدا کرتے رہتے ہیں۔ تم لوگاں پولیس ہو کے کیا کرتے ہیں؟ اچھا سمجھ گیا؟ وہ مایا جو مسلمان بن گئی ہے۔ اس کو پھر سے ہندو بنانے کو میرے جیسے مہا پنڈت کو بلایا ہے۔"

ایک نے گرج کر کہا۔ "پنڈت کے بچے! ہم تجھے الٹا لٹکا دیں گے۔ کتنی بار کہا گیا ہے کہ کم بولو۔ تم نے اتنا بتا دیا کہ اپنا میڈیکل چیک اپ نہیں کرایا تھا۔ اب یہ بتاؤ کیا دوسری شادی کی تھی۔"

"ہاں جی۔ میں بولا نا کہ میں بہت بڑا وید ہوں۔ جو دوا بناتا ہوں، اس کو کھا کے عورتاں بچے پیدا کرتی ہیں۔"

''تو پھر مایا بچے کی ماں کیوں نہ بن سکی۔''

''میں بولا ناجی! وہ بانجھ تھی۔ منحوس تھی۔ ابھی جو دھرم پتنی ہے، اسے میں پہلی رات دوا کھلایا تھا۔ میری دوا کا چمتکار دیکھو جی! وہ چھ مہینے میں ماں بن گئی۔ میرے کو باپ بنا دیا۔''

دونوں افسروں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ پھر ایک نے کہا۔ ''تم ایک گیانی مہاپنڈت ہو۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ عورت چھ مہینے میں ماں نہیں بنتی؟''

''تم لوگاں بڑے افسر بنتے ہیں۔ جرا عقل سے حساب کرو جی! وہ میری دھرم پتنی تین مہینے میکے میں دوا کھائی چھ مہینے میرے پاس آ کو کھائی۔ پورے نو مہینے ہوئے کہ نئی؟''

ایک افسر نے میز پر جھک کر کاغذ پر کچھ لکھا۔ پھر ایک ماتحت کو بلا کر کاغذ دیتے ہوئے بولا۔ ''پنڈت کو میڈیکل چیک اپ کے لیے لے جاؤ۔''

ماتحت پنڈت کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا وہاں سے لے گیا۔ دوسرے افسر نے کہا۔ ''کیسی جہالت اور جوک (مذاق) والی بات ہے۔ کہتا ہے، وہ تین مہینے میکے میں دوا کھاتی رہی اور چھ مہینے سسرال میں۔ پھر یہ گھامڑ پنڈت کیا کرتا رہا؟''

افسر نے کہا۔ ''ہم جتنے بھی مردِ میدان بن جائیں۔ یہ تو عورت ہی بتا سکتی ہے کہ وہ کس کے بچے کی ماں بنتی رہتی ہے۔''

''بھئی کسی کے بھی بچے کی ماں بنے۔ ہم ساری دنیا کا حساب نہیں کر رہے ہیں۔ اپنے دیس کی بات کرو۔ یہاں کتنے ہی کیس ایسے پکڑے گئے ہیں کہ ہمارے دھرم کی عورتیں مسلمانوں کے بچے پیدا کرتی ہیں۔''

''ایسی باتیں سن کر شرم آتی ہے۔ ہمارے پاس کون سا صوبہ اور شہر بچ گیا ہے، جہاں ہندو مسلم فسادات نہیں ہوتے، کتنی ہی مسلمان لڑکیوں کو اغوا کیا جاتا ہے۔ ان کی عزت سے کھیلا جاتا ہے۔ ان سے تو ہمارے ہندو بچے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمانوں کی آبادی کم کیوں نہیں ہوتی۔''

''کیسے کم ہوگی؟ فرقہ وارانہ فسادات کرنے والے، دولت اور عزت لوٹنے والے نہ تو ہندو ہوتے ہیں، نہ مسلمان، وہ تو ہندو غنڈے اور مسلمان غنڈے ہوتے ہیں۔ لوٹی ہوئی نقدی اپنے پاس رکھتے ہیں اور لوٹی ہوئی عورتوں کو چکلوں میں فروخت کر دیتے ہیں۔ اتنی بڑی دنیا میں صرف چکلا ایسی جگہ ہے، جہاں دین دھرم کا حساب اور تفریق نہیں ہوتی۔ اس بازار میں کسی عورت سے کوئی نہیں پوچھتا کہ تم ہندو پیدا کر رہی ہو یا مسلمان؟''

دوسرے نے تائید کی۔ ''عجیب صورتِ حال ہے۔ اگر عورتوں کے اس بازار سے ہندو پیدا ہوتے ہیں تو ہم فخر نہیں کر سکتے اور اگر مسلمان پیدا ہوتے ہیں تو ان کی بڑھتی آبادی تشویشناک ہو جاتی ہے۔''

''بھئی تم کہاں کی باتیں لے بیٹھے۔ اس گندے بازار کو چھوڑو۔ ہمارے صاف ستھرے بھارتی سماج میں مسلمانوں کی اکثریت کب تک ہماری سیاست پر اثر انداز ہوتی رہے گی؟''

''اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کیا گیا۔ بے شمار مسلمانوں کی نس بندی کی گئی۔ مگر ان کی آبادی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ مسلمان آج بھی بھارت کی سب سے بڑی اقلیت ہیں۔''

''ہم جانتے ہیں کہ طاعون کے جراثیم چھ میٹر کی دوری سے بھی دوسرے شخص کے اندر گھس جاتے ہیں۔ بھارت میں بیشتر مقامات پر ہندو، مسلمانوں کی آبادی اس طرح گڈمڈ ہے کہ ایک دھرم کی عورت دوسرے مذہب کے مرد سے چھ میٹر کے فاصلے پر نہیں رہ سکتی۔ یہ بھارت میں مسلمان نہیں ہیں، طاعون ہیں، انہیں فسادات میں چوہوں کی طرح زندہ جلایا گیا۔ پھر بھی یہ طاعون پھیل رہا ہے۔ چور دروازوں سے پھیل رہا ہے۔''

دوسرے افسر نے کہا۔ ''پنڈت کندن لال کی پتنی چھ ماہ میں ایک بچے کی ماں بن گئی۔ کیا وہ بچہ چور دروازے سے اس پنڈت کو باپ بنا رہا ہے؟''

''کچھ اسی قسم کے گھپلے ہوتے ہیں۔ نوجوان نسل کو جو سب سے زیادہ متاثر کرتی

ہیں، وہ ہیں فلمیں اور پچھلے کئی برسوں سے دیکھ لو۔ عامر خان، سلمان خان، سیف علی خان، شاہ رخ خان انڈسٹری پر چھائے ہوئے ہیں۔ ان کی زیادہ فلمیں سپرہٹ ہوئی ہیں جنہیں صرف ہندو لڑکے نہیں، لڑکیاں بھی دیکھتی ہیں اور اپنے ذہن میں ایسے ہی آئیڈیل بناتی ہیں۔ ایک عرصہ تک ساحر لدھیانوی، شکیل بدایونی اور کیفی اعظمی وغیرہ اپنی صلاحیتیں منواتے رہے۔ موسیقار نوشاد کے سامنے کسی کا طوطی نہیں بولتا تھا۔ کوئی دلیپ کمار............(یوسف خان) کا ثانی پیدا نہ ہو سکا۔ یہ ایسی شخصیتیں ہیں جو اسکول، کالج جانے والوں کو اور خواب دیکھنے والی لڑکیوں کو متاثر کرتی ہیں۔ جب ہم اپنے دیس میں سیکولرازم کی کھچڑی پکا رہے ہیں تو وہ ایسے ہی پکے گی۔''

ایک نے پریشانی سے سوچتے ہوئے کہا۔ ''کیا ایسا نہیں لگتا کہ ہم جتنے ایٹم بم بنا رہے ہیں، اس سے زیادہ مسلمان پیدا کر رہے ہیں؟''

''ہمیں چور راستوں کو روکنے کے لیے کوئی جامع منصوبہ بنانا پڑے گا۔''

''کوئی منصوبہ کام نہیں آئے گا۔ بھارت اتنا بڑا دیس ہے کہ یہاں ہر صوبے، ہر شہر، ہر گاؤں اور ہر گلی پر یہ پہرا نہیں لگایا جا سکتا کہ ہندو الگ رہیں اور مسلمان الگ اور یہ قانون نہیں بنایا جا سکتا کہ ہندو اور مسلمانوں کی آبادی الگ الگ مقام پر ہو۔ ایسا قانون بنانے سے سیکولرازم کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔''

''ہاں۔ اس طرح عالمی رائے قائم ہوگی کہ ہم اپنے دیس کی سب سے بڑی اقلیت سے امتیازی سلوک کر رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ بڑی خاموشی اور رازداری سے چور دروازے بند کیے جائیں، کیوں نہ پنڈت شنکرم کندن لال کی دھرم پتنی کو بلا کر حقیقت معلوم کی جائے؟''

دوسرے دن پنڈت کی دھرم پتنی کو دفتر میں طلب کیا گیا۔ پنڈت کو اس کمرے میں آنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ایک افسر نے پوچھا۔ ''تمہارا نام کملا کماری ہے؟ اور تم ناگ پاڑا سے بیاہ کر پنڈت شنکرم کندن لال کے گھر آئی ہو؟''

کملا نے کہا۔ ''جی ہاں۔ میں ان کی دھرم پتنی ہوں اور ناگ پاڑا سے بیاہ کر آئی ہوں۔''

''یہ ہم نے دیکھا ہے کہ ناگ پاڑا میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی ملی جلی آبادی ہے۔ سب ایک دوسرے کے پڑوسی اور محلے دار ہیں۔ کیا تمہارے پڑوس میں بھی مسلمان رہتے ہیں؟''

''جی ہاں۔ ہم سب وہاں بڑے میل ملاپ سے رہتے تھے۔ وہاں کئی بار فسادات ہوئے۔ مگر ہم نے مسلمانوں کو پناہ دی اور فسادیوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔''

''یعنی مسلمانوں سے بڑی محبت ہے؟''

''جی ہونا چاہیے۔ ہم ایک ہی دیس کے رہنے والے ہیں۔''

''وہاں تمہارے پڑوس میں جوان اور خوبصورت مسلمان بھی ہوں گے۔''

''جی ہاں۔ جوان اور بوڑھے سب ہی رہتے ہیں۔''

''تم کسی جوان میں دلچسپی لیتی تھیں؟''

کملا نے چونک کر افسر کو دیکھا۔ پھر کہا۔ ''میری دلچسپی صرف محلے داری تک رہی ہے۔''

''تمہارے پتی دیو پنڈت شنکرم کندن لال کا بیان ہے کہ تم نے شادی کے چھ ماہ بعد ایک بچے کو جنم دیا ہے۔''

کملا نے سختی سے ہونٹوں کو بھینچ لیا۔ افسر نے کہا۔ ''جواب دو۔''

''کیا جواب دوں؟ آپ نے سننے میں غلطی کی ہے۔ چھ ماہ میں بچہ ہوتا تو میں سسرال اور سماج میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی۔ بچہ چھ نہیں سات ماہ کے بعد ہوا ہے۔''

''تمہاری دلیل درست ہے۔ اگر تم سات ماہ سے پہلے ماں بنتیں تو دنیا والے تم پر انگلی اٹھاتے لیکن پنڈت چھ ماہ کہتا ہے۔''

''وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ میں بچہ جہیز میں لے کر آئی ہوں۔ میں نے کئی بار سمجھایا ہے کہ وہ صرف پنڈت بن کر پوجا کرے۔ وید نہ بنے۔ مگر وہ اپنی دواؤں کی پبلسٹی کے لیے اکثر ایسی ہی الٹی سیدھی باتیں کرتا رہتا ہے۔''

''تم باتیں خوب بناتی ہو۔ اگر انگریزی پڑھ سکتی ہو تو اپنے پتی دیو کی یہ میڈیکل رپورٹ پڑھو۔ اس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ پنڈت شنکرم کندن لال بانجھ ہے۔''

کملا کماری نے وہ رپورٹ لے کر پڑھی۔ وہ رپورٹ کہہ رہی تھی کہ پنڈت شوہر تو بن سکتا ہے، باپ نہیں بن سکتا۔ وہ پڑھنے کے بعد سر جھکائے بیٹھی رہی۔ وہ کاغذ کا ٹکڑا اسے سسرال سے دھکے دے کر نکال سکتا تھا۔

ایک افسر نے کہا۔ ''مجھے یقین ہے۔ اب کچھ نہیں چھپاؤ گی۔ یہاں جو کہو گی، وہ بات ہم باہر تک جانے نہیں دیں گے ہمیں صرف اس مسلمان کا نام بتا دو۔''

کملا کماری نے چونک کر افسر کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ ''آ.......... آپ کس مسلمان کو پوچھ رہے ہیں؟''

''انجان مت بنو۔ وقت ضائع نہ کرو۔ اس مسلمان کا نام اور پتا بتا دو، جو تمہارے بچے کا باپ ہے۔''

وہ رونے لگی۔ ساڑھی کے آنچل میں منہ چھپا کر بولی۔ ''میں آپ کو بھگوان کا واسطہ دیتی ہوں، جو ہو چکا ہے، اس پر مٹی ڈال دیں۔ مجھے بدنام نہ کریں۔''

''ہم قسم کھاتے ہیں کہ تم اپنے سسرال میں عزت سے رہو گی۔ صرف اس کا نام اور پتا بتا دو۔''

''آپ میری عزت رکھیں گے۔ مگر وہ ہرجائی مجھے بدنام یا پھر اپنے گناہوں سے انکار کرے گا۔''

''ہم اس سے نمٹ لیں گے۔ وہ تمہارے خلاف زبان کھولے گا تو ہمیشہ کے لیے اس کی زبان بند کر دیں گے، ہم پر بھروسا کرو۔''

''اس نے سچے پریم کی قسم کھائی تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ میں اس کے بچے کی ماں بننے والی ہوں تو اس نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں۔ کہنے لگا کہ وہ بڑی رازداری سے بچہ ضائع کرا دے گا۔''

افسر نے مسلمانوں کو گالیاں دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ سالے مسلمان ایسے ہی طوطا چشم ہوتے ہیں۔''

کملا کماری نے چہرے پر سے ساڑھی کا آنچل ہٹا کر کہا۔ ''وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس کا نام برج موہن ہے۔ ناگ پاڑا میں سب اسے برجو کہتے ہیں۔ وہ ایم ایل اے دھن راج کا بیٹا ہے۔''

دونوں افسران ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ پھر ایک نے کہا۔ ''چلو جو ہوا، سو ہوا۔ ایک بات اپنے دل سے کہو۔ کیا تم اب بھی اپنے اس ہرجائی پریمی کو چاہتی ہو؟''

وہ آنسو پونچھتی ہوئی بولی۔ ''عورت اپنی زندگی کے پہلے پریم کو اور پہلے پریمی کو کبھی نہیں بھولتی۔ میرے نصیب میں جو لکھا تھا وہ ہو گیا۔ میں اس ہرجائی کو بدنام نہیں کروں گی۔''

''بہت سچا پریم کرتی ہو۔ اتنے بڑے گناہ گار کو بچا رہی ہو۔ اس لیے اس کا نام غلط لے رہی ہو۔''

''نہیں میں بھلا غلط نام کیوں لوں گی؟''

''اس لیے کہ ابھی تک کئی باتیں غلط کہہ چکی ہو۔ اگر ہم میڈیکل رپورٹ نہ بتاتے تم پنڈت کو ہی اپنے بچے کا باپ کہتی رہتیں۔''

دوسرے افسر نے کہا۔ ''پھر تمہاری اس دلیل میں وزن تھا کہ سات ماہ سے پہلے ماں بنتیں تو سسرال سے نکال دی جاتیں۔ ہم نے جتنے سوالات کیے۔ تم نے ان کے جواب بڑی چالبازی سے دیے اب آخری چال بازی یہ دکھا رہی ہو۔ سچا پریمی ہے۔ اس لیے مسلمان پریمی کو ہندو بنا رہی ہو۔''

وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔ ''یہ آخری بات میں نے سچ کی ہے۔ کوئی مسلمان ہوتا تو میں بھلا اسے کیوں الزام سے بچاتی؟''

''............ ایسا ہوتا ہے۔ تم تھوڑی دیر پہلے کہہ چکی ہو کہ ناگ پاڑا میں جب بھی فساد ہوئے تم لوگوں نے مسلمانوں کو بچایا اور اپنے ہاں پناہ دی۔''

''وہ ایک الگ بات ہے۔ ہم ایک دیس کے رہنے والے ہیں۔ مسلمان مارے جاتے ہیں تو بھارت کی بدنامی ہوتی ہے۔''

افسر نے کہا۔ ''ابھی تو تم خود کو بدنامی سے بچاؤ۔ اس مسلمان کا صحیح نام اور پتا بتاؤ۔ اس میں تمہاری بھلائی ہے، بات اس چار دیواری سے باہر نہیں جائے گی۔ تمہارے پنڈت پتی دیو کو بھی کچھ معلوم نہیں ہوگا۔ سسرال میں تمہاری عزت بنی رہے گی۔''

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ دوسرے افسر نے کہا۔ ''بس اور کوئی بات نہیں۔ تمہیں چوبیس گھنٹوں کا وقت دیا جا رہا ہے۔ کل اس وقت یہاں بلایا جائے گا۔ ایم ایل اے دھن راج کا بیٹا برج موہن بھی یہاں موجود رہے گا۔ تم کتنی سچی ہو اس کا فیصلہ کل ہوگا۔''

وہ اٹھ کر جانے لگی۔ اسے معلوم تھا کہ اتنے بڑے ایم ایل اے کا بیٹا کبھی اپنے باپ کی شہرت کو داؤ پر لگانے کے لیے ایک گناہ کا الزام اپنے سر نہیں لے گا۔ وہ سچ بولنے کے باوجود گناہ گار رہے گی اور اس کا گناہ کسی اور کے سر تھوپ دیا جائے گا۔

☆======☆======☆

ہسپتال کے اسپیشل وارڈ میں مائرہ کے لیے ایک بڑا سا کمرا ریزرو کرایا گیا تھا۔ اس کمرے میں اسد بھی مائرہ کے ساتھ اس کی دیکھ بھال کے لیے رہ سکتا تھا۔ صمد خان نے کمرے کے باہر اور وارڈ کے کاریڈور میں اپنے ایسے جاں نثار نگرانی کے لیے مقرر کیے تھے، جو سادہ لباس میں تھے۔ انہوں نے لباس کے اندر، پستول، ریوالور اور بلٹ سائز کے کیپسول بم چھپا رکھے تھے۔

بھارتی حکومت کو یقین تھا کہ بمبئی کے بم دھماکوں اور فرقہ وارانہ فسادات کے پیچھے داؤد ابراہیم کا ہاتھ ہے اور وہ اپوزیشن کے لیے کام کر رہا ہے۔ اس شہر میں صمد خان بے شک و شبہ داؤد ابراہیم کا دست راست سمجھا جاتا تھا لیکن براہِ راست اسے پولیس گرفتار نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی پولیس مقابلہ کے بہانے قتل کر سکتی تھی۔ اس صوبے میں اور خاص طور پر بمبئی میں امن و امان قائم رکھنا حکومت کے لیے ضروری تھا۔ اپوزیشن نے داؤد ابراہیم کی خدمات حاصل کر کے حکومت کو مشکلات میں ڈال دیا تھا۔''

لہٰذا صمد خان سے نمٹنے کا ایک ہی راستہ تھا کہ حکومت بھاری معاوضے دے کر دہشت گرد پیدا کرے۔ وہ دہشت گرد صمد خان اور اسد خان کو قتل کرنے کے لیے ان کے محافظوں سے ٹکراتے رہیں گے۔ شہر میں ان کے درمیان گولیاں چلتی رہیں گی گیہوں کے ساتھ گھن پستے رہیں گے۔ یعنی غنڈے کم، معصوم شہری زیادہ مارے جائیں گے تو ایسی ہلاکتوں اور تخریب کاریوں کا الزام حکومت پر نہیں آئے گا۔ حکمران، ریڈیو، ٹی وی وغیرہ یہی کہیں گے کہ شہر میں دو گروہ آپس میں لڑ رہے ہیں۔ یا نامعلوم دہشت گرد بے گناہ

شہریوں کو قتل کر رہے ہیں۔

فی زمانہ لفظ ''نامعلوم'' ایک آہنی پردہ ہے، جس کے پیچھے حکومت اور اپوزیشن کے پالتو قاتل اور تخریب کار پناہ لیتے ہیں۔ ایسے وقت حکمران کہتے ہیں کہ وہ اپنے دورِ حکومت میں امن و امان چاہتے ہیں اس لیے قتل و غارت گری نہیں کرا رہے۔ اپوزیشن والے کہتے ہیں کہ وہ قوم کو ان کے جائز انسانی حقوق دلانے کے لیے پُرامن احتجاج کرتے ہیں لیکن حکمران پارٹی انہیں بدنام کرنے کے لیے پُرامن احتجاج کو دہشت گردی میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اس طرح حکمران اور اپوزیشن والے تو ''معلوم'' ہوتے ہیں۔ ان کے دہشت گرد ''نامعلوم'' رہا کرتے ہیں۔

بمبئی کے ہسپتال میں صمد خان نے سادہ لباس میں اپنے دہشت گردوں کو جگہ جگہ پھیلا دیا تھا۔ بھارتی انٹیلی جینس اور ''را'' والے سمجھ رہے تھے کہ صمد خان کے بھائی اسد اور بھابی مائرہ پر کوئی آنچ آئے گی تو ''نامعلوم'' دہشت گرد ہسپتال میں خون کی ندیاں بہا دیں گے۔ بمبئی شہر میں پھر ایک بار فسادات کی آگ بھڑک اٹھے گی۔ حکمران اپنے سر یہ الزام نہیں لینا چاہتے تھے کہ وہ امن و امان بحال رکھنے میں ناکام رہے ہیں۔

اب خاموشی سے دوسری چالیں چلی جا رہی تھیں۔ یہ بڑی حکمت عملی سے معلوم کرنے کے بعد کہ مائرہ دراصل مایا ہے اور بائیس برس تک ہندو رہ چکی ہے، انٹیلی جینس والوں نے یہ حقیقت چھپائے رکھی۔ اگر ظاہر کر دیتے تو انتہا پسند ہندو پھر سے مایا کو اپنے دھرم میں واپس لانے کے لیے آگ اور خون کی ہولی شروع کر دیتے۔

ڈاکٹر ششما نے مائرہ پر نفسیاتی حربہ استعمال کیا تھا۔ خود کو ڈاکٹر ششما کے بجائے ڈاکٹر سلطانہ ظاہر کیا تھا اور یہ من گھڑت کہانی سنائی تھی کہ ہندوؤں نے اسے اغوا کر کے اس کا مذہب بدل کر سلطانہ سے ششما بنا دیا ہے۔ مایا نے اس کی رام کہانی سن کر اپنی پچھلی زندگی کے واقعات بھی سنا دیے کہ وہ مائرہ نہیں مایا تھی، مسلمان نہیں ہندو تھی اور آئندہ کاتبِ تقدیر کو منظور ہوا تو وہ ایک مسلمان کے بچے پیدا کرتی رہے گی اور یہ سیکولرازم کا دعویٰ

کرنے والوں کو منظور نہیں تھا۔

شہر کے بڑے ہسپتال میں دو دنوں تک اس کا طبی معائنہ ہوتا رہا۔ مختلف ٹیسٹ ہوتے رہے۔ تیسرے دن ہسپتال کے سب سے بڑے ڈاکٹر نے اسد سے کہا۔ ''تمہاری وائف کی میڈیکل رپورٹ ایسی ہے کہ اس سلسلے میں فوری آپریشن کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اسد اپنے کسی بزرگ کو لے آئے۔ ان بزرگ کے سامنے رپورٹ پیش کی جائے گی کہ آپریشن کیوں لازمی ہے۔''

اسد کا بزرگ صرف صمد خان ہی تھا اور وہ شاذونادر ہی منظرِ عام پر آتا تھا۔ اسد نے کہا۔ ''بھائی جان! پتا نہیں مائرہ کا کیس کیسا پیچیدہ ہے۔ آپ کسی طرح اس بڑے ڈاکٹر سے ملاقات کریں، وہ کہہ رہا تھا کہ آپریشن میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔''

صمد خان نے کہا۔ ''تمہیں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ فون پر ہونے والی میری تمام باتیں ریکارڈ کی جاتی ہیں۔ مائرہ کے آپریشن کی بات سن کر میں بہت پریشان ہو رہا ہوں۔ پتا نہیں اسے کیا بیماری لاحق ہو گئی ہے۔''

''ڈاکٹر کی رائے ہے کہ میں اپنے کسی بزرگ کو بلاؤں۔ پھر مائرہ کے کیس پر بات ہو گی۔''

''یہ ڈاکٹر کی نہیں، انٹیلی جینس والوں کی بھونڈی سی چال ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ایک میں ہی تمہارا بھائی ہوں، باپ ہوں بزرگ ہوں۔ میں ہسپتال آؤں گا تو وہ کسی خود ساختہ پیچیدہ جرم میں مجھے ملوث کریں گے۔''

''پھر تو آپ کو نہیں آنا چاہیے۔ ایک مصیبت مائرہ پر آ گئی ہے۔ میں دوسری مصیبت آپ پر نہیں آنے دوں گا۔ ویسے بھی میں مائرہ کا شوہر ہوں۔ اس کے کسی پیچیدہ کیس کو جاننا اور آپریشن کی اجازت دینا میرا قانونی حق ہے۔ آپ کو نہیں آنا چاہیے۔''

''ٹھہرو۔ فون بند نہ کرو۔ کیا ہسپتال سے بول رہے ہو؟''

''جی ہاں۔ یہاں کے سب سے بڑے ڈاکٹر سرجن اے کے شرما کے چیمبر میں ہوں

اور ان کے ہی فون سے بول رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ڈاکٹر صاحب کو فون دو۔''

چند لمحوں کے بعد ڈاکٹر نے کہا۔''میں سرجن اے کے شرما بول رہا ہوں، آپریشن سے پہلے مسز مائرہ اسد کے فارم پر مسٹر اسد شوہر کی حیثیت سے دستخط کریں گے۔ان کے ضمانتی دستخط کے لیے ایک بزرگ کے دستخط بھی لازمی ہیں۔''

''کیا آپ فون پر کیس کی نوعیت بتائیں گے؟''

''میں صرف اسی کو بتا سکتا ہوں، جو مسٹر اسد کے دستخط کی تصدیق کے لیے خود دستخط کرنے آئے گا۔''

''بے شک۔آپ قانونی نکتہ بیان کر رہے ہیں۔کیا آپ مجھے ایک گھنٹے کا وقت دے سکتے ہیں۔میں ٹھیک گیارہ بجے پہنچ جاؤں گا۔''

''کوئی بات نہیں۔آپ گیارہ بجے تک چلے آئیں۔''

اسد نے سرجن اے کے شرما سے ریسیور چھین کر کہا۔''نہیں بھائی جان! آپ نہیں آئیں گے۔میں اپنی اور مائرہ کی زندگیاں آپ پر قربان کر سکتا ہوں۔مجھ سے بڑی بھول ہوئی۔مجھے آپ سے فون پر..........''

وہ کہتے کہتے رک گیا۔اسے زور سے ریسیور رکھنے کی ''کھڑک'' سی آواز سنائی دی تھی۔اس نے ہیلو ہیلو کہہ کر بھائی کو مخاطب کیا لیکن جواب نہیں ملا۔اس نے پریشان ہو کر ریسیور رکھ دیا۔سرجن شرما نے کہا۔''مسٹر اسد! میں نے سنا ہے کہ آپ کے بھائی جان بڑے خطرناک ہیں۔پاکستانی ایجنٹ ہیں لیکن داؤد ابراہیم کی ایجنسی ان کی حفاظت کرتی ہے۔''

وہ پریشان ہو کر بولا۔''آپ ڈاکٹر ہیں۔بہت بڑے سرجن ہیں آپ کو بتانا چاہیے کہ میری بیوی کا آپریشن کیوں ہوگا لیکن آپ کو میرے بھائی جان ایک پاکستانی ایجنٹ دکھائی دے رہے ہیں۔ہم مسلمان صدیوں سے یہاں آباد ہیں۔اگر اس دنیا کے نقشے میں

ایک پاکستان بن گیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بھارت کے سب ہی مسلمان پاکستانی ایجنٹ ہیں۔آپ ڈاکٹر ہیں یا جاسوس؟''

''آپ اپنی بیوی کے لیے پریشان ہیں۔بھائی سے بھی محبت کرتے ہیں۔اس لیے یوں جذباتی ہو کر بول رہے ہیں۔میں قسم کھا کر کہتا ہوں، ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی کوئی بھی اس ہسپتال میں آتا ہے، وہ میرے لیے صرف ایک انسان ہوتا ہے۔میں نے صرف انسانیت کی خدمت کے لیے یہ پیشہ اپنایا ہے۔میں نے آپ کے بھائی کے متعلق سنا تھا کہ وہ پاکستانی ایجنٹ ہیں۔بھگوان کرے یہ غلط ہو۔''

''یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ ذات پات سے بالاتر ہو کر بیمار انسانیت کی خدمت کرتے ہیں۔میں اسی انسانیت کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں۔آخر میری مائرہ کو کیا ہو گیا ہے؟''

''آپ کے ایک بزرگ یہاں آنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔اس لیے بتا رہا ہوں۔آپ نے پہلے بھی اپنی وائف کی کئی میڈیکل رپورٹ دیکھی ہوں گی۔آپ کی مسز کی ناف کے پاس ہمیشہ درد رہتا تھا۔کبھی آپ لوگوں نے کسی اسپیشلسٹ سے رجوع نہیں کیا۔کسی بڑے ہسپتال میں چیک اپ نہیں کرایا۔ہم نے دو دنوں تک ہر زاویے سے دیکھا ہے، پرکھا ہے اور یہ تصدیق کی ہے کہ آپ کی مسز کو رحم کا کینسر ہے۔''

اسد کے دماغ کو ایک شدید جھٹکا لگا۔وہ لرز کر بولا۔''یہ۔یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ رحم کا کینسر؟''

''جی ہاں۔آپ کی وائف نے بتایا کہ پچھلے چار پانچ برس سے پیٹ میں تکلیف ہوا کرتی تھی۔یہ ابتدائی تکلیف ہوتی تھی۔پنڈت شنکرم کندن لال کی دواؤں سے دور ہو جایا کرتی تھی لیکن ایسا وقتی طور پر ہوا کرتا تھا۔رفتہ رفتہ یہ تکلیف بنیادی طور پر گھر کرتی گئی۔اب یہ کینسر کی صورت میں نمایاں ہو رہی ہے۔ویسے یہ ابتدائی اسٹیج ہے۔آپ چاہیں تو مریضہ کی جان بچا سکتے ہیں۔''

"میں ہزار بار کہوں گا کہ مائرہ کو بچایا جائے۔"

"لیکن بچانے کے لیے مریضہ کو بچہ دانی سے محروم کرنا ہوگا۔"

اسد کو پھر ایک بار شاک پہنچا۔ بچہ دانی سے محروم کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ کبھی ماں نہیں بن سکے گی۔ وہ مائرہ یا مایا جو ماں نہ بننے کے باعث سسرال سے نکال دی گئی تھی۔ اس کے پاس یہی ایک چھوٹی سی کھیتی تھی جس کی موجودگی سے آس بندھی رہتی تھی کہ ایک نہ ایک دن یہ کھیتی زرخیز ہوگی۔ ایک ماں اپنی ممتا کی فصل اپنی آغوش میں سمیٹے گی۔ دل سے اس کی دھڑکنیں اور کسان سے اس کی کھیتی چھیننے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اسے جیتے جی مار ڈالا جائے۔

سرجن شرما نے کہا۔ "میں جانتا تھا، آپ یہ سن کر پریشان ہو جائیں گے۔ لیڈی ڈاکٹر نے مجھے بتایا ہے کہ وہ برسوں سے ماں بننے کے لیے تڑپ رہی ہے اور سنا ہے کہ نیم پاگل سی ہو جاتی ہے۔ کسی گڑیا کو سینے سے لگائے رکھتی ہے۔"

"ڈاکٹر! ہم اسے نیم پاگل کہہ سکتے ہیں۔ مگر ایک مرد کی دی ہوئی طلاق نے اس کے اندر کی عورت کو یا ممتا کو للکارا ہے۔ وہ دنیا کو دکھانا چاہتی ہے کہ ایک جرم کے بغیر اسے بے عزتی سے نکالا گیا ہے۔ وہ ماں بن سکتی ہے۔"

"شاید بن جاتی لیکن اب تو معاملہ بڑا گمبھیر ہوگیا ہے۔ آپریشن نہ کیا گیا تو کینسر پھیلے گا۔ اسے پھیلنے سے پہلے نکال پھینکنا ہوگا۔"

"آپ درست کہتے ہیں۔ مگر وہ یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکے گی۔"

"اسی لیے ہم نے اسے اصل بات نہیں بتائی ہے۔ اس سے کہا ہے کہ اندر معمولی سی خرابی ہے۔ ایک نہایت معمولی آپریشن کے بعد ہمیشہ کے لیے تکلیف دور ہو جائے گی۔"

"یوں تو وقتی طور پر اسے بہلا دیا جائے گا لیکن اس کے بعد کیا ہوگا؟"

"کچھ نہیں۔ آپ ایک سمجھ دار انسان ہیں۔ اسے رفتہ رفتہ سمجھا سکتے ہیں کہ ماں بننا ایک قدرتی امر ہے۔ جب بھی قدرت کو منظور ہوگا، وہ ضرور ماں بنے گی۔ ورنہ صبر کرتی

رہے گی۔"

"یہی تو مشکل ہے کہ وہ بے صبری ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں جاتا، جب وہ ماں بننے کی دعائیں نہ مانگتی ہو۔ وہ مندروں میں بھی گئی۔ مزاروں پر بھی منتیں مانتی رہتی ہے۔ کسی سادھو یا پیر بابا کے بارے میں غیر معمولی باتیں سنتی ہے تو ان کے پاس دوڑی چلی جاتی ہے۔ پہلے غریب تھی۔ اب خدا کا فضل ہے۔ بڑے بڑے ڈاکٹروں سے رجوع کرتی ہوئی آپ تک پہنچی ہے۔"

"اسے اسی طرح زندگی گزارتے رہنے دو۔ ہم بھی اسے جھوٹی تسلیاں دیں گے کہ وہ سال دو سال میں ضرور ماں بن سکے گی۔ اسے کسی نہ کسی طرح بہلاتے رہنا ہوگا۔ ویسے آپ کی مرضی ہے۔ آپ فارم پر دستخط نہیں کریں گے تو ہم آپریشن کا رسک نہیں لیں گے۔"

اسد نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ ہسپتال کے اس فارم پر آپریشن کے لیے دستخط کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ مائرہ سے ماں بننے کا حق چھین رہا ہے اور دستخط نہ کرتا تو اس کے اندر کینسر کو پھیلنے کا موقع دیتا۔ وہ ایک ایسی بیوی کا شوہر بن گیا تھا، جو ادھوری تھی۔ بیوی، اپنے بچوں کی ماں بن کر ہی مکمل ہوتی اور اپنے مرد کے خاندان کو بڑھاتی اور پھیلاتی ہے۔ اسد کو اس سے یہ حق چھین لینا تھا۔ بعض حالات میں زندگی بہت بڑی اور ناقابل برداشت محرومی کے ساتھ گزرتی ہے اور اسے گزارنا پڑتا ہے۔ ورنہ ایب نارمل رہ کر اپنی ہی زندگی کو عذاب بنا لینا پڑتا ہے۔

صمد خان ٹھیک گیارہ بجے ایک بہت ہی قیمتی کار ڈرائیو کرتا ہوا ہسپتال کے احاطے میں داخل ہوا۔ جو جاسوس اور پولیس والے سادہ لباس میں وہاں پھیلے ہوئے تھے، اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ عام طور پر اس کے آگے پیچھے مسلح سیکورٹی گارڈز کی ایک مختصری فوج رہا کرتی تھی لیکن وہ ہسپتال میں تنہا آیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بھی باڈی گارڈ نہیں تھا۔

اس نے سرجن اے کے شرما کے چیمبر میں آکر چھوٹے بھائی اسد کو گلے سے لگایا۔ پھر ڈاکٹر سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد اسد سے پوچھا۔ "بھائی کی جان! تم بہت مغموم دکھائی

دے رہے ہو۔ معاملہ کیا ہے؟"

سرجن شرما نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر اسے مائرہ کے موجودہ حالات بتانے لگا۔ صمد نے آپریشن کے سلسلے میں پوری رپورٹ سننے کے بعد کہا۔ "وہ میرے بھائی کی شریک حیات ہے.......... مگر میں اسے بیٹی سمجھتا ہوں۔ اس کی یہ بدقسمتی سن کر مجھے بہت صدمہ پہنچ رہا ہے۔ ڈاکٹر! مریض کے گردے خراب ہو جائیں تو اس کی جگہ کسی دوسرے کے گردے لگ جاتے ہیں۔ تبدیلی قلب کے آپریشن بھی کامیاب ہوتے ہیں۔ ایسے کئی کیس ہیں کہ خون تبدیل ہوتا ہے تو بلڈ کینسر کے مریض زندہ رہتے ہیں۔ کیا ہماری مائرہ کے ساتھ ایسا کوئی کامیاب آپریشن نہیں ہو سکتا کہ اس کے ماں بننے کی صلاحیت باقی رہے؟ اگر ایسا ہو جائے تو میں یہاں سے دبئی تک آپ کے قدموں میں نوٹوں کی گڈیاں بچھاتا جاؤں گا۔"

سرجن شرما نے کہا۔ "میں آپ کی اتنی بڑی آفر کے بغیر بھی ایسا کرتا۔ اگر یہ ممکن ہوتا۔ میڈیکل سائنس میں ابھی تک کینسرزدہ رحم کے سلسلے میں تحقیقات ہو رہی ہیں۔ عورت کے جسم کا یہ حصہ ایسا ہے، جہاں سے انسان پیدا ہوتے ہیں۔ کوئی غریب عورت معاوضہ لے کر یا عطیہ کے طور پر اپنے بدن کا یہ حصہ دینا چاہے، تب بھی مسز مائرہ اسد کے جسم میں اس حصے کا کامیابی سے پیوند لگانا ممکن نہیں ہے۔"

صمد نے کہا۔ "تعجب ہے۔ ہمارے بھارت دیس میں آبادی کم کرنے کے لیے مردوں کی نس بندی کی گئی۔ عورتوں کو بچہ دانیوں سے محروم کیا گیا۔ اس کے برعکس کسی ممتا کی ماری کو ایک بچہ دانی کا عطیہ حاصل کرنے کے قابل نہیں بنایا گیا۔ کیا ہم ان حالات میں یہ رائے قائم نہیں کر سکتے کہ آبادی کم کرنے اور مائرہ کو ممتا سے محروم کرنے کے لیے آپریشن کیا جا رہا ہے؟"

"ایسا تو کوئی دشمن کرے گا اور میں ایک ذمے دار ڈاکٹر ہوں۔"

"ذمے داری آپ کی پیشانی پر نہیں لکھی ہوئی ہے۔ اس دیس کے بے شمار ہسپتالوں

میں ڈاکٹروں نے بے شمار عورتوں کو آبادی بڑھانے کے قابل نہیں رکھا۔"

"مسٹر خان! آپ ہم پر شبہ کر سکتے ہیں۔ ہم نے مسز مائرہ اسد کے جتنے ٹیسٹ کیے ہیں آپ وہ تمام میڈیکل رپورٹ لے کر لندن اور نیویارک وغیرہ کے ہسپتالوں میں جا سکتے ہیں۔ اگر وہاں کی رپورٹ ہم سے مختلف ہوگی تو آپ مجھے کسی وقت بھی گولی مار سکتے ہیں۔"

"آپ کو گولی نہیں مارنا چاہیے۔ آپ مریضوں کو نئی زندگی دیتے ہیں۔ اگر مجھے لندن یا نیویارک آپ کی رپورٹ لے کر جانا ہوتا تو یہاں نہ آتا۔ رپورٹ اپنے پاس منگوا کر ان کی تصدیق کرا لیتا۔ میں یہاں آپریشن کے فارم پر اپنے بھائی کے دستخط کی ضمانت دینے آیا ہوں۔"

اسد نے پریشان ہو کر کہا۔ "بھائی جان! آپ ضمانت دینے آئے ہیں لیکن مائرہ کا کیا ہوگا؟ اسے آپریشن کے بعد زندگی ملے گی۔ مگر ایک بچے کی محرومیت اسے مار ڈالے گی۔"

"فکر نہ کرو۔ ہم مائرہ کو سمجھا بجھا کر بہلا پھسلا کر اس کی طبعی عمر تک اسے زندہ رکھیں گے۔ تم دستخط کرو۔"

اسد بڑے بھائی کی مرضی کے مطابق دستخط کرنے لگا۔ اس کے بعد سرجن شرما نے فارم کو صمد خان کے آگے رکھا۔ وہ بھی دستخط کرنے لگا۔ ایسے ہی وقت ڈاکٹر کے چیمبر کے ایک اندرونی دروازے سے انٹیلی جینس کا چیف اپنے ایک ماتحت افسر کے ساتھ آیا۔ صمد خان نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ پھر کہا۔ "سواگتم (خوش آمدید) میں بڑی دیر سے سوچ رہا تھا کہ سورج یہاں آ گیا۔ سایہ اب تک کیوں نہیں آیا۔"

چیف نے کہا۔ "میں اطمینان کر رہا تھا کہ تم نے ہسپتال میں گڑبڑ پھیلانے کے لیے کیسی چالیں چلی ہیں؟"

"کیا اطمینان ہو گیا؟"

"میرے آدمیوں نے اور ڈیٹیکٹو آلات نے یہ بتا دیا ہے کہ ہسپتال کے کسی حصے میں بم وغیرہ نہیں ہیں۔ ہم نے یہاں آنے جانے والوں کو چیک کیا ہے۔ کسی کے پاس کوئی

اسلحہ نہیں ہے۔ تم اپنی اس مجرمانہ زندگی میں پہلی بار کسی سیکورٹی کے بغیر آئے ہو۔"

صمد خان نے کہا۔" ایک گھنٹا پہلے یہاں میرے مسلح ماتحت موجود تھے۔ میں نے انہیں ہٹا دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے یہاں آنے پر بمبئی ایکسچینج والے دھماکے شروع ہو جائیں۔ میں دشمن ہوں اور اپنے دشمنوں کی جان لیتا ہوں۔ اس ہسپتال کے ڈھائی سو مریضوں سے میری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ یہ بیچارے زندہ رہنے کے لیے یہاں اپنی بیماریوں سے لڑ رہے ہیں۔ ان میں میری بیٹی جیسی مائرہ بھی ہے۔ پھر میرا بھائی اسد بھی موجود ہے۔ تمہیں اتنی عقل تو ہونی چاہیے کہ میں یہاں کسی کی بھی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈالوں گا۔"

"تو پھر تم نے ہسپتال کے باہر اپنے لیے حفاظتی انتظامات کیے ہیں؟"

"بالکل نہیں، باہر جاؤ اور اطمینان کرلو۔ میں اپنے بنگلے سے تنہا آیا ہوں اور تنہا واپس جاؤں گا۔ البتہ اس چیمبر کے باہر میرا وکیل بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے پاس ضمانت قبل از گرفتاری موجود ہے۔ اپنے ماتحت کو بھیج کر اسے وصول کرلو۔"

"بہت چالاک بنتے ہو۔ ہمیشہ گرفتاری سے پہلے کورٹ سے ضمانت حاصل کر لیتے ہو۔ آخر کتنے مقدمات اپنے سر پر اٹھائے پھرتے رہو گے؟"

"جتنے میرے سر پر بال ہیں۔ اب فضول باتیں نہ کرو۔ دوسرے کمرے میں ہماری جو گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہے، اس ریکارڈنگ کا تمام سامان اٹھا کر لے جاؤ۔"

"اور اگر یہاں ریکارڈنگ ہوتی رہے تو؟"

"تو پھر ہسپتال کی بجلی غائب ہو جائے گی۔ اس طرح تمہارا کام بھی نہیں ہوگا اور مریضوں کو بھی پریشانی ہوگی۔"

سرجن شرما نے چیف سے کہا۔"مسٹر خان قانونی کارروائی مکمل کر رہے ہیں۔ پلیز آپ ان کے وکیل سے ضمانت کے کاغذات لے کر چلے جائیں۔ ورنہ ہم تمام ڈاکٹر اور مریض پریشانیوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔"

چیف نے ماتحت سے کہا کہ وہ ریکارڈنگ کا تمام سامان لے جائے۔ پھر اس نے خود وکیل کو بلا کر ضمانت کے کاغذات وصول کیے، چیمبر کے دوسرے کمرے سے تین پولیس والے اس ماتحت کے ساتھ ریکارڈنگ کا سامان لے کر آئے۔ پھر چیف کے ساتھ چلے گئے۔

سرجن شرما نے کہا۔"مسٹر خان! آپ واقعی زبردست ہیں۔"

"کیا آپ میری قدر نہیں کریں گے کہ میں نے یہاں کسی مریض کو نقصان پہنچنے نہیں دیا؟"

"بے شک، آپ قابل قدر ہیں۔ آپ نے شاید اپنی ضمانت کے لیے مجھ سے ایک گھنٹے کی مہلت لی تھی۔"

"نہیں۔ یہ ہمارے کام اوپر سے ہو جاتے ہیں۔ مجھے زحمت نہیں کرنی پڑتی۔ میں تو آپ کی بھلائی کے انتظامات کر رہا تھا۔"

"میری بھلائی؟" سرجن شرما نے تعجب سے پوچھا۔

اسی وقت ایک جوان ڈاکٹر نے آ کر پوچھا۔"سر! آپریشن کے لیے کیا حکم ہے؟"

صمد خان نے اس ڈاکٹر کو دیکھ کر پوچھا۔"مسٹر شرما! شاید یہ آپ کے اسسٹنٹ ڈاکٹر ہیں؟"

"جی ہاں۔ یہ ڈاکٹر ساجد احمد ہیں۔ اگرچہ مجھ سے جونیئر ہیں۔ مگر میری غیر موجودگی میں میجر آپریشن کر لیتے ہیں، ابھی مائرہ کے آپریشن کے وقت مجھے اسسٹ کریں گے۔"

پھر اس نے ڈاکٹر ساجد احمد سے کہا۔"انہوں نے فارم پر دستخط کر دیے ہیں۔ ہم ابھی آپریشن کریں گے۔ تم چلو۔"

ڈاکٹر ساجد احمد چلا گیا۔ صمد خان نے ڈاکٹر شرما سے کہا۔"ابھی میں آپ کی بھلائی کی بات کر رہا تھا۔ آپ کی ایک بیٹی ہے۔ وہ تین یا چار ماہ کے بعد ماں بننے والی ہے۔"

"یہ میرے گھر کی بات ہے۔ آپ کیسے جانتے ہیں؟"

’’یہی جاننے کے لیے تو میں نے آپ سے ایک گھنٹے کی مہلت لی تھی۔ آپ کی وہ بیٹی میرے ایک خفیہ آپریشن تھیٹر میں ہے۔‘‘

وہ ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ’’یہ کیا بک رہے ہو؟‘‘

صمد خان نے اس کے فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرتے ہوئے کہا۔ ’’آرام سے بیٹھو اور اپنی لاڈلی اکلوتی بیٹی سے باتیں کرو۔‘‘

رابطہ قائم ہونے پر اس نے کہا۔ ’’ہیلو مسٹر رائے! یہ ذرا باپ بیٹی سے باتیں کرا دو۔‘‘

اس نے ریسیور سرجن شرما کو دیا۔ شرما نے اسے کان سے لگا کر کہا۔ ’’ہیلو، میں سرجن شرما بول رہا ہوں۔‘‘

دوسری طرف سے بیٹی کی آواز سنائی دی۔ وہ روتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ ’’ڈیڈی! مجھے کڈنیپ کیا گیا ہے۔ پتا نہیں یہ کون سی جگہ ہے۔ یہاں دو ڈاکٹر دو نرسیں اور ایک وارڈ بوائے ہے۔ میرے بیڈ کے پاس آپریشن کے تمام آلات رکھے ہوئے ہیں۔‘‘

’’آپریشن؟ یہ۔ یہ آپریشن کس لیے ہو رہا ہے؟‘‘

سرجن شرما فون پر بیٹی سے باتیں کر رہا تھا اور سامنے بیٹھے ہوئے صمد خان کو دیکھتا جا رہا تھا۔ ادھر سے بیٹی کہہ رہی تھی۔ ’’یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ آپ کسی مائرہ نامی عورت کا آپریشن کرنے جا رہے ہیں۔ اگر اسے واقعی رحم کا کینسر ہے تو بے شک بچہ دانی نکال دی جائے اور اگر فراڈ ثابت ہوگا تو یہاں مجھے بھی ماں بننے نہیں دیا جائے گا۔ جو وہاں ہوگا۔ وہ یہاں ہوگا۔ مائرہ کی طرح میں بھی کبھی ماں نہیں بن سکوں گی۔‘‘

ڈاکٹر نے غصے سے صمد خان کو دیکھ کر پوچھا۔ ’’یہ کیا درندگی ہے؟‘‘

وہ کرسی کی پشت سے ٹیک .... لگا کر بولا۔ ’’ابھی درندگی شروع نہیں ہوئی ہے۔ تم آپریشن تھیٹر میں جانے سے پہلے مائرہ کی تمام میڈیکل رپورٹ مجھے دے کر جاؤ گے۔ ادھر تم آپریشن میں مصروف رہو گے۔ ادھر میں فیکس کے ذریعے لندن کے اپنے

خاص ڈاکٹر سے تمہاری تمام میڈیکل رپورٹ چیک کراؤں گا۔ اگر وہ سب درست ہوں گی تو تم اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بڑی پُرسکون اور خوشگوار زندگی گزارو گے اور اگر فراڈ ہو تو تباہی تمہارا مقدر بن جائے گی۔‘‘

سرجن شرما نے اپنے سامنے سے ایک فائل اٹھا کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ’’اس فائل میں مائرہ کے تمام ٹیسٹ اور مختلف ڈاکٹرز کی رپورٹس موجود ہیں۔ آپ دنیا کے کسی بھی ڈاکٹر سے تصدیق کرا سکتے ہیں۔‘‘

وہ فائل اٹھا کر بولا۔ ’’میں ابھی تصدیق کراتا ہوں لیکن اس کے بعد بھی ایک بات رہ جاتی ہے۔ ہمارے دیس کے پچاس فیصد میٹرنٹی ہومز یا ہسپتال کے زچگی وارڈز میں چور طریقوں سے ایک بار ماں بننے والی عورتوں کو آئندہ کبھی ماں نہ بننے کے قابل بنا دیا جاتا ہے۔ ایسا سرکار بھی چاہتی ہے کہ بھارت کی آبادی کم سے کم ہو اور یہ ظلم مسلمانوں کے ساتھ کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔‘‘

’’میں آپ کے آنے سے پہلے آپ کے بھائی سے کہہ چکا ہوں کہ یہاں آنے والے ہندو مسلمان، سکھ اور عیسائی سب ہی میرے لیے انسان ہوتے ہیں۔ میں وہ ڈاکٹر ہوں جو صرف انسانی جذبوں سے مریضوں کا علاج کرتا ہے۔‘‘

’’تو پھر کرو۔ جاؤ اور مائرہ کا آپریشن کرو۔ اسے واقعی رحم کا کینسر ہے تو بیچاری کو ممتا سے محروم کر دو۔ اگر یہ رپورٹ غلط ہوگی اور کسی شیطانی سازش کے تحت اسے مسلمانوں کی آبادی میں ایک مسلمان بچے کا اضافہ نہیں کرنے دیا جائے گا تو تمہاری بیٹی بھی ماں کبھی نہیں بن سکے گی۔‘‘

’’میں ذہنی دباؤ کا شکار ہو کر آپریشن کروں گا تو مجھ سے کوئی بھول چوک ہو جائے گی۔ آپ وعدہ کریں کہ آپریشن کے بعد میری بیٹی کو رہا کر دیا جائے گا تو میں کھلے دل سے مائرہ کا علاج کروں گا۔‘‘

’’صمد خان جو زبان دیتا ہے اسے پورا کرتا ہے۔ آپریشن کے بعد مائرہ ہوش میں

آجائے گی اور نارمل رہے گی تو تمہاری بیٹی کو بخیریت گھر پہنچا دیا جائے گا۔''

سرجن اے کے شرما کسی حد تک مطمئن ہو کر وہاں سے اٹھ کر آپریشن کے لیے جانے لگا۔

☆======☆======☆

انٹیلی جینس ڈپارٹمنٹ کی اس عمارت کا وہ زیر زمین کمرا تھا، جہاں پنڈت شنکرم کندن لال کو بلا کر طرح طرح کے سوالات کیے گئے تھے۔ پھر پنڈت کی غیر موجودگی میں اس کی دھرم پتنی کملا کماری کو بلا کر یہ راز معلوم کیا گیا تھا کہ کملا اپنے پتی پنڈت کے نہیں بلکہ ایک پریمی برج موہن کے بچے کی ماں ہے۔

اب اس کمرے میں دو افسران کے سامنے برج موہن بیٹھا ہوا تھا۔ کملا کماری کو اور پنڈت شنکرم کندن لال کو الگ الگ کمرے میں بٹھایا گیا تھا اور ان سے کہا گیا تھا کہ ضرورت ہوگی تو انہیں بلایا.......... جائے گا۔ وہ دونوں افسران تنہائی میں برج موہن سے سوالات کر رہے تھے۔ ایک افسر نے پوچھا۔'' تمہارا نام برج موہن ہے اور تم..........''

برج موہن نے ایک چٹکی بجا کر افسر کو انگلی دکھاتے ہوئے کہا۔'' تم نہیں آپ۔ میں ایک ایم ایل اے کا بیٹا ہوں۔ میری سماجی حیثیت کے مطابق مجھے '' آپ'' کہہ کر مخاطب کرو۔''

دوسرے افسر نے کہا۔'' آپ کی سماجی حیثیت یہ ہے کہ چند برس پہلے آپ لوگ ایک معمولی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر آپ کے پتا جی ایم ایل اے ہیں، وزیر قانون بھی ہیں۔ اسی لیے آپ کی سماجی نہیں سیاسی حیثیت ہے۔ ہم سب قانون کے محافظ ہیں اس لیے ایم ایل اے دھن راج کے حوالے سے آپ کی عزت کرتے ہیں۔''

برج موہن نے کہا۔'' میں چاہتا تو یہاں نہ آتا بلکہ آپ جیسے افسران کو اپنی کوٹھی میں بلاتا۔ مگر پتا جی نے مشورہ دیا کہ مجھے قانون کا احترام کرنا چاہیے۔ یہاں میرے ساتھ صرف رسمی سی کارروائی ہوگی۔ مجھ سے پوچھا جائے گا کہ کملا کماری نامی ایک بیاہتا عورت

مجھے اپنے بچے کا باپ کہہ رہی ہے؟''

'' ہاں۔ یہی بات ہے۔ وہ یہی کہہ رہی ہے۔ آپ کیا کہنا چاہیں گے؟''

'' میں یہ پوچھوں گا کہ اس کملا کو پریشانی کیا ہے؟ وہ بیاہتا ہے اپنے پتی کے بچے کی ماں ہے۔ پھر مجھے کیوں الزام دے رہی ہے۔''

''اس لیے کہ پنڈت میں ایک باپ بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔''

'' تو پھر بچے کا باپ کوئی اور ہوگا۔ میرا نام لینا کیا اس لیے ضروری ہے کہ میں بہت بڑے باپ کا بیٹا ہوں؟''

'' بڑے بننے اور چھوٹے بن جانے میں ذرا دیر نہیں لگتی۔ چند برس پہلے آپ برجو کہلاتے تھے۔ آج وزیر قانون دھن راج کے بیٹے برج موہن ہیں۔ مگر تہذیب اور رسم و رواج کے مطابق صدیوں سے برہمنوں کی ذات سب سے اونچی اور بڑی ہوتی ہے۔ کملا کماری برہمن ہے اور آپ سے کم تر نہیں ہے۔ آپ کو سیاسی اور اسے سماجی اور دھرمی برتری حاصل ہے۔''

برج موہن نے کہا۔'' میرے پاس وقت کم ہے۔ آپ ٹو دی پوائنٹ بات کریں۔''

''اصل بات یہ ہے کہ عورت جسے بچے کا باپ کہہ دے، وہی باپ کہلاتا ہے لیکن بعض حالات میں عورت جھوٹ بولتی ہے۔ ایک کا گناہ دوسرے کے سر ڈالتی ہے، کملا نے بھی پہلے یہی کوشش کی کہ حقیقت چھپی رہے اور پنڈت شنکرم کندن لال اس کے بچے کا باپ کہلاتا رہے لیکن ہم نے اس سے اگلوالیا کہ اس بچے کا باپ کوئی اور ہے۔ وہ آپ کا نام لیتی ہے۔ آپ تسلیم نہیں کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پھر ہمیں دھوکا دے رہی ہے اور اپنے اصل پریمی کا نام چھپا رہی ہے۔''

برج موہن نے کہا۔'' ہیئر از دی پوائنٹ۔ وہ آج بھی اپنے اس پریمی کی دیوانی ہے۔ شاید اس کا نام زبان پر نہیں لائے گی۔ اسے ہر حال میں قانون سے اور محلے والوں کے لات جوتوں سے بچانا چاہے گی۔''

"آپ اس علاقے میں رہتے تھے۔ سیاسی پوزیشن حاصل ہوتے ہی بڑی کوٹھیوں والے علاقہ میں چلے گئے لیکن یہ تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہ ناگ پاڑا میں کس جوان سے زیادہ قریب اور بے تکلف تھی۔"

"کملا کے پڑوس میں اور سامنے والے مکان میں مسلمان فیملی تھی۔ اس فیملی کا ایک خوبرو اسمارٹ لڑکا کامران اس کے بہت قریب تھا۔ دن رات کسی بھی وقت کملا کے مکان میں گھس آتا تھا۔ کملا کے گھر والے اس کی آؤ بھگت کرتے تھے۔ وہ ان کے گھر کے بہت سے چھوٹے بڑے کام کرنے کے بہانے کملا سے خوب گھل مل گیا تھا۔"

ایک افسر نے سمجھنے کے انداز میں کہا۔ "ہوں۔ تو یہ معاملہ ہے۔"

برج موہن نے کہا۔ "یہی معاملہ ہے۔ اگر محلے والوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اپنی عزت آبرو ایک مسلمان پر لٹاتی رہی ہے تو بستی کے تمام ہندوؤں کا خون جوش مارے گا۔ وہ کامران کی ہڈیاں پسلیاں توڑ کر اسے زندہ جلا دیں گے لیکن بات زیادہ پھیلنے سے پہلے ہی اس کی شادی پنڈت سے ہوگئی۔"

افسر نے کہا۔ "یہ واقعی شرم سے ڈوب مرنے کی بات ہے۔ کیا اپنے دھرم کے لوگ مر گئے ہیں کہ یہ لڑکیاں اسد اور کامران جیسے جوانوں کے پاس جاتی ہیں۔"

برج موہن نے پوچھا۔ "یہ اسد کون ہے؟"

"اپوزیشن کو سپورٹ کرنے والی داؤد ابراہیم کی ایجنسی کا ایک جوان ہے۔ اس نے پنڈت کی پہلی بیوی مایا کو مسلمان بنالیا ہے۔"

"پھر بھی آپ لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ کملا نے مجھے الزام دیا اور آپ لوگوں نے مجھے یہاں بلالیا۔"

"سچائی معلوم کرنے کے لیے آپ کو زحمت دی گئی ہے ہمیں یقین کی حد تک شبہ تھا کہ وہ اپنے پریمی کا نام چھپا رہی ہے۔"

دوسرے افسر نے ایک ماتحت کو بلا کر کہا کہ وہ کماری کو لے آئے۔ ماتحت چلا گیا۔

ایک منٹ بعد ہی کملا اس کمرے میں آئی۔ اس نے آتے ہی برج موہن کو دیکھا۔ برج موہن اس سے نظریں چرانے لگا۔ وہ بولی۔ "برجو! مجھ سے نظریں ملاؤ۔ ان افسروں نے وعدہ کیا ہے کہ ہماری کوئی بات یہاں سے باہر نہیں جائے گی۔"

وہ غصہ سے بولا۔ "کیا بکواس کر رہی ہو؟ ہماری ایسی کون سی بات ہے جسے اس کمرے میں چھپانا ہے؟ تم کیا سمجھتی ہو کہ ان افسروں کے سامنے میرے خلاف بکواس کروگی تو وہ سچ مان لی جائے گی۔"

"سچ تو بھگوان جانتا ہے۔ یا پھر مجھے اور تمہیں معلوم ہے۔ تم انکار کروگے تو میں تمہارا کیا بگاڑ لوں گی؟"

ایک افسر نے کہا۔ "پچھلی بار تم ہم سے خوب جھوٹ بولتی رہیں۔ پہلے اپنے بچے کو اپنے پتی سے منسوب کرتی رہیں۔ جب ہم نے میڈیکل رپورٹ کے ذریعے ثابت کر دیا کہ پنڈت شنکر کندن لال باپ بننے کے قابل نہیں ہے تو تم نے مسٹر برج موہن کو اپنے بچے کا باپ بنا دیا، آخر تم اپنے عاشق کو کس قدر دل و جان سے چاہتی ہو؟ اس کا نام کیوں چھپاتی ہو؟"

دوسرے افسر نے کہا۔ "صرف اس لیے کہ شیوسینا کے انتہا پسند ہندو اس مسلمان عاشق کی بوٹیاں نوچ لیں گے۔"

کملا کماری نے چونک کر پوچھا۔ "آپ کس مسلمان کی بات کر رہے ہیں؟"

برج موہن نے کہا۔ "اسی کامران کی بات، جس کے ساتھ تم اپنا منہ کالا کرتی رہی ہو۔"

وہ چیخ پڑی۔ "یہ جھوٹ ہے۔ اپنا پاپ اس کے سر ڈال رہے ہو۔ بڑی شرم کی بات ہے بہن اور بھائی کے رشتے پر کیچڑ اچھال رہے ہو۔"

"بہن اور بھائی؟" برج موہن نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم ہندو، وہ مسلمان پھر بہن اور بھائی کیسے ہوگئے؟"

"میں ہر سال راکھی کے تہوار میں کامران کی کلائی پر راکھی باندھتی ہوں۔ سچے ہندو ہوتو تسلیم کرو کہ راکھی کا رشتہ کتنا مقدس ہوتا ہے۔ اتنا مقدس کہ بہن اور بھائی کے درمیان کوئی دین دھرم نہیں آتا۔ میں نے پچھلے برس تمہاری آنکھوں کے سامنے کامران کی کلائی پر راکھی باندھی تھی اور تم نے خود کہا تھا کہ یہ راکھی ایک رکھشا بندھن (حفاظتی پابندی) ہے اور راکھی کا دھاگا ایک بھائی بننے والے مرد کو پابند کرتا ہے کہ وہ مصیبت اور آزمائش کی گھڑی میں اپنی بہن کی عزت اور آبرو کی حفاظت کرے گا۔ تم کیسے ذلیل انسان ہو، بھائی کے مقدس رشتے کو نباہنے والے شخص کو صرف اس لیے بدنام کر رہے ہو کہ وہ مسلمان ہے۔"

برج موہن نے غصہ سے اٹھ کر ایک الٹا ہاتھ کملا کے منہ پر رسید کرتے ہوئے کہا۔ "سُور کی بچی! تو مجھے ذلیل کہہ رہی ہے۔ میں ایک منسٹر کا بیٹا ہوں۔ اگر میرا منسٹر باپ اخبارات میں یہ بیان دے دے کہ تو نے ایک مسلمان بچے کو جنم دیا ہے تو پورے بھارت میں مسلمانوں کی ایسی کی تیسی ہو جائے گی۔ کامران اور اسد جیسے عاشق مسلمانوں کی نس بندی کی جائے گی۔ تاکہ پھر کوئی مسلمان بچہ پیدا نہ ہو سکے۔"

دونوں افسران نے برج موہن کو پکڑ کر کملا سے دور کیا۔ پھر ایک نے کہا۔ "آپ غصہ تھوک دیں۔ آپ بڑے سیاسی لوگ ہیں۔ چھوٹوں کے منہ نہ لگیں۔"

دوسرے افسر نے کہا۔ "ویسے بھی اب آپ سے کچھ نہیں پوچھنا ہے۔ آپ جا سکتے ہیں۔"

وہ کملا کی طرف تھوک کر غصہ سے طنطناتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ دونوں افسران اپنی کرسیوں پر آ کر بیٹھ گئے پھر ایک نے کہا۔ "تم دوبار جھوٹی پڑ گئی ہو۔ پہلے پنڈت اور پھر برج موہن کو اپنے بچے کا باپ ظاہر کیا اور وہ برج موہن تم پر تھوک کر چلا گیا ہے۔ تمہارے پتی پنڈت شنکرم کندن لال کو تمہاری بدچلنی کا علم ہوگا تو وہ بھی تم پر تھوک دے گا۔ اب تم اعتراف کر لو کہ ہماری تفتیش کے نتیجے میں کس قدر ظاہر ہو چکی ہو۔"

دوسرے نے کہا۔ "ہم مانتے ہیں کہ راکھی ایک مقدس بندھن ہے۔ راکھی کا

دھاگا .... ہندو اور مسلمان کو بھی بہن اور بھائی کے پاکیزہ رشتے میں باندھتا ہے لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ لوگ عدالتوں میں گیتا پر ہاتھ رکھ کر بھی سزاؤں سے بچنے کے لئے جھوٹ بولتے ہیں پھر گیتا جیسی مقدس کتاب کے سامنے راکھی کیا چیز ہے؟ محض ایک دھاگا، ٹوٹ جانے والا دھاگا۔"

وہ بولی۔ "آپ بڑے لوگ ہیں بڑی آواز والے ہیں۔ میری آواز دب رہی ہے، اب میں کچھ نہیں بولوں گی۔"

"بولنا بھی نہیں چاہئے۔ خواہ مخواہ وقت ضائع ہوگا۔ دوٹوک جواب دو۔ کامران سے ہونے والی اولاد کو ہندو بناؤ گی یا مسلمان؟"

"بھگوان کے لیے بھائی بہن کی گالی نہ دیں۔ میرا بچہ ہندو ہے۔ ہندو ہی رہے گا۔"

"جس کے اندر ایک مسلمان عاشق کے لئے چھپے ہوئے چور جذبات ہوں۔ وہ ماں اپنے بچے کو بھی اپنے آئیڈیل عاشق کی طرح مسلمان بنائے گی۔ آخری بات یہ ہے کہ پنڈت شنکرم کندن لال کے گھر میں جس بچے کو تم نے جنم دیا ہے وہ تمہارا نہیں ہے۔"

"یہ کیسی بے تکی بات ہے۔ میں نے جنم دیا ہے اور بچہ میرا نہیں ہے؟"

"اسے کہاں سے لا کر جنم دیا ہے؟ یہ کس دھرم کا خون ہے؟ پہلے اس نطفے کی تصدیق کراؤ۔ تصدیق کے بغیر طوائفیں بھی بچے پیدا کرتی ہیں جبکہ تمہارا بچہ ایک بڑی ذات کے برہمن کے گھر میں ہے۔"

وہ بولی۔ "کئی جگ بیتے۔ ایک نوزائیدہ بچہ کنول کے پتے پر تالاب میں ہچکولے کھا رہا تھا اور بھوک سے رو رہا تھا ایک مسلمان نے اسے پانی سے نکالا۔ ایک مسلمان عورت نے اسے اپنا دودھ پلایا۔ گاؤں کے کچھ لوگوں نے کہا، یہ مسلمان کا بچہ ہے، کچھ لوگوں نے کہا، یہ ہندو کی اولاد ہے۔ کسی کے پاس یہ سند نہیں تھی کہ وہ کس کے نطفے سے ہے۔ پنچوں نے فیصلہ کیا کہ اس بچے کی پرورش مسلمان بھی کریں گے اور ہندو بھی۔ پھر اس بچے کو

مسلمان ماں نے بھی دودھ پلایا اور ہندو ماں نے بھی۔ وہ دین اور دھرم کے سائے میں پرورش پاتا رہا آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ بچہ کون تھا؟ نہیں سمجھے تو سنو وہ مہا کوی کبیر داس جی تھے۔"

"ہمیں معلوم ہے تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"معلوم ہوتا تو میرے بچے کو مسئلہ نہ بناتے۔ جب کبیر داس جی کی موت ہوئی تو پھر یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ مسلمانوں کے دین کے مطابق انہیں دفن کیا جائے یا ہندو رسم کے مطابق چتا میں جلایا جائے۔ یہ اس کوی یا شاعر کا واقعہ ہے جو ہمارے دھارمک اتہاس (مذہبی تاریخ) میں ہے۔ کبیر داس کی باتیں مسلمانوں کے لیے بھی تھیں اور ہندوؤں کے لئے بھی۔ اس لئے دونوں اپنے اپنے مذہب کے مطابق ان کی آخری رسومات ادا کرنا چاہتے تھے۔ اس مسئلے پر فساد برپا ہونے والا تھا۔ تب ہی زور کی ہوا چلی اور میت پر پڑی ہوئی چادر اڑ گئی۔ سب لوگوں نے دیکھا کہ ان کے مردہ جسم کی جگہ پھولوں کے انبار لگے ہیں۔ مختصر یہ کہ پنچوں کے فیصلے کے مطابق اس انبار کے آدھے پھولوں کو مسلمانوں نے دفن کیا اور آدھے پھولوں کو ہندوؤں نے چتا میں جلا دیا۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ اونچی ذات کے برہمنوں کے گھروں میں کبیر داس کی بانی پڑھی جاتی ہے اور پڑھتے وقت کوئی ان کا نطفہ نہیں پوچھتا اور آپ لوگ مجھے یہاں بلا کر اس ننھے سے بچے کے باپ کو پوچھ رہے ہیں؟ ابھی جو آپ لوگوں کے سامنے مجھ پر تھوک کر گیا ہے۔ وہی تھوک ہے، وہ بچہ۔ کوئی ماں اپنے بچے کی موت نہیں چاہتی۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ مرجائے اور میں دیکھوں کہ آپ لوگ اسے مسلمان سمجھ کر دفن کریں گے یا ہندو سمجھ کر چتا میں جلائیں گے، اگر اسے مسلمان سمجھ کر دفن کیا تو اس کا گناہ آپ کے سر ہوگا۔ میں کچھ نہیں کہوں گی، میں تو ایک ہندو بچے کو جنم دینے والی ملزمہ ہوں۔"

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر ایک افسر نے کہا۔ "کبیر داس مہا کوی تھے، تم اس دور کی بات کر رہی ہو جب بھارت میں سماجی پنچایتی کمیٹیاں تھیں۔ آج سیاست ہے اور

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی یہاں کی سیاست پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ پچھلے سینتالیس برسوں میں یہاں کے کئی صوبوں میں اور کشمیر میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں مسلمان مارے گئے۔ پھر بھی ان کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی ہے۔ یہ طاعون کی طرح پھیل رہے ہیں۔"

"ہمارے کئی شہروں اور قصبوں میں چوہوں کے ذریعے جو طاعون پھیل رہا تھا اسے ہمارے ڈاکٹروں اور رضاکاروں نے چند ہفتوں کی محنت اور انتھک کوششوں سے دواؤں کے ذریعے ختم کر دیا ہے لیکن ان مسلمان چوہوں کا خاتمہ نہیں ہو رہا ہے یہ جتنے مرتے ہیں اس سے زیادہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں ان میں سے ایک وجہ تمہارے جیسی نادان عورتیں ہیں۔" دوسرے افسر نے کہا۔

کملا نے کہا۔ "میں نے کوئی نادانی نہیں کی ہے اور اگر دوسری عورتیں کرتی ہیں تو وہ پورے بھارت میں کتنی ہوں گی۔ دس، بیس، پچاس، سو یا ہزار؟ اس سے زیادہ تعداد نہ بڑھائیں ورنہ ہماری ذات برادری کے مرد بانجھ کہلائیں گے اور یہاں کے ہر گھر میں ایک مسلمان کی موجودگی کا شبہ ہوگا۔"

"بکواس مت کرو۔ ہم تمہارے جیسی عورتوں کی صرف لسٹ نہیں بنا رہے ہیں۔ بلکہ........ یہ بھی سمجھ رہے ہیں کہ بنگلہ دیش اور پاکستان سے مسلمان ہماری سرحدوں میں داخل ہو رہے ہیں۔ بائی دی وے، یہ تمہیں کہنے کی باتیں نہیں ہیں۔ تم یہ سمجھ لو کہ تم ہماری بلیک لسٹ میں ہو۔ کبھی تمہیں کسی کامران وغیرہ کے ساتھ دیکھا گیا تو اس کے ساتھ تمہیں بھی گولی ماردی جائے گی اور پنڈت جسے اپنا بچہ سمجھ رہا ہے اسے اپنا ہی سمجھ کر برہمن بنائے رکھے گا۔ اب تم جاسکتی ہو۔"

وہ مزید بحث نہیں کرنا چاہتی تھی وہاں سے سر جھکا کر چلی گئی اس کے چلے جانے سے انٹیلی جینس والوں کا مسئلہ ختم نہیں ہوا۔ اس سچے یا جھوٹے اندازے کو عقل تسلیم نہیں کرتی تھی کہ ان کی اپنی عورتیں مسلمان بچے پیدا کرتی ہیں، ایسا کہنا بھی شرمناک تھا اور بھارتی

جنتا کو اشتعال دلانے والی بات تھی۔ یہ انتہا پسند ہندوؤں کے لیے بہت بڑی گالی تھی۔

مایا کے مسلمان ہونے سے پنڈت کی بیوی کملا کماری کے خلاف جو تفتیش کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ اس کی وجہ طاعون کی وہ وبا تھی جو سورت سے شروع ہوئی اور بمبئی، دہلی اور کلکتہ جیسے شہروں تک پھیل گئی تھی۔ پھر احتیاطی تدابیر پر عمل کر کے اسے رفتہ رفتہ ختم کیا گیا تھا مگر خاتمے کے بعد اس کے نتائج سیاست پر اثر انداز ہوئے۔ اتنے افراد مارے گئے کہ بمبئی اور دہلی میں ہندو ووٹروں کی تعداد خاصی کم ہو گئی۔

بات اب ووٹ بینک کی چل نکلی تھی۔ بمبئی اور دہلی وغیرہ کے ووٹ بینک کا حساب رکھنے والے سیاست دانوں نے بمبئی کے ساڑھے چار لاکھ اور دہلی کے تقریباً ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں کے نام انتخابی فہرست سے خارج کر دیئے۔ ان سے کہا جانے لگا کہ وہ پہلے اپنی ہندوستانی شہریت ثابت کریں۔ راشن کارڈ، بھارتی پاسپورٹ، شہریت کے کاغذات وغیرہ صرف دس دن کے اندر طلب کئے گئے تھے۔ اس دیس میں مسلمانوں کی اکثریت ناخواندہ اور مزدور پیشہ ہے، وہ دس دنوں میں یہ مطالبات پورے نہیں کر سکتے تھے لیکن پولیس اور انتظامیہ کے دلائل یہ تھے کہ دوسرے ممالک سے اور خصوصاً پاکستان سے آنے والے مسلمانوں کو دس دن سے زیادہ وقت ملے گا تو وہ جعلی شہریت کی دستاویزات حاصل کر لیں گے۔ اس سلسلے میں سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ ہندوستان کے مشہور و معروف نقاد اور شاعر سردار جعفری سے بھی ہندوستانی شہریت کے کاغذات طلب کئے گئے تھے۔

تشویش ناک مسئلہ یہ تھا کہ کئی مخصوص حلقوں میں ہندو ووٹرز کم اور مسلمان ووٹرز زیادہ ہو گئے تھے، ان کے متعلق یہ رائے قائم کی جا رہی تھی کہ غیر ملکی مسلمان چوری چھپے چلے آ رہے ہیں یا ان سینتالیس برسوں میں لاتعداد مسلمان چور دروازوں سے پیدا ہوتے رہے ہیں یا پھر مردم شماری کے وقت جو ہندو نام لکھے گئے تھے ان میں سے بیشتر فراڈ تھے جیسا کہ مایا کا باپ دھرما تھا۔

☆======☆======☆

مائرہ کا آپریشن ہو چکا تھا اور اب وہ نارمل تھی۔ آپریشن کے نتیجے میں پیدا ہونے والا کوئی ردِعمل یا تکلیف نہیں تھی۔ سرجن شرما نے صمد خان سے کہا۔ ''آپ کسی اور ڈاکٹر سے بھی چیک کرا لیں۔ مسز مائرہ اسد بالکل نارمل ہیں، آپ دو دن بعد انہیں ہسپتال سے لے جا سکتے ہیں۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ..........''

وہ بات کاٹ کر بولا۔ ''مجھے وعدہ یاد نہ دلاؤ۔ میں نے یہاں ہسپتال آنے سے پہلے تمہاری بیٹی کو گھر پہنچا دیا ہے۔''

ڈاکٹر نے فوراً ہی ریسیور اٹھا کر گھر کے نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر بیوی کی آواز سنائی دی۔ ''ہیلو کون ہے؟''

شرما نے کہا۔ ''میں بول رہا ہوں، کیا ہماری بیٹی آ گئی ہے؟''

''جی ہاں۔ میں یہ خوش خبری آپ کو سنانا چاہتی تھی لیکن بیٹی کو یہاں پہنچانے والوں نے تاکید کی تھی کہ جب تک آپ کا فون نہ آئے میں اتنی بڑی خوشی کو چھپائے رکھوں۔''

''ہماری ہیم لتا کیسی ہے؟''

''بالکل خیریت سے ہے۔ اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچائی گئی تھی۔ وہ دشمنوں کے پاس عزت اور آرام سے تھی۔''

سرجن شرما نے ریسیور رکھ کر کہا۔ ''تھینک یو مسٹر خان آپ سچ مچ زبان کے دھنی ہیں۔''

''سچا ہونا، زبان کا دھنی ہونا سب فضول سی باتیں ہیں، دراصل آدمی کو اچھا بننے کے لیے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ آپ کے خیال کے مطابق میں مجرم تھا۔ آپ نے مجھے انٹیلی جینس کے چیف کے حوالے کرنا چاہا۔ یہ آپ اپنے طور پر اچھا کر رہے تھے اور میں نے آپ کو ایک اچھا اور ذمے دار ڈاکٹر بنائے رکھنے کے لیے آپ کے گھر سے ایک امانت لی اور اسے واپس کر دیا۔ ہم اور آپ جیسے لوگ اچھائی سے اچھے نہیں ہوتے برائی کرو تو بھلے بنتے ہیں۔''

''آپ مجھے شرمندہ نہ کریں جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔''

''نہیں ڈاکٹر! جو ہو چکا ہوتا ہے، اس کے بعد بھی ہونے کو بہت کچھ رہ جاتا ہے۔ وہ انٹیلی جینس والے آپ پر دباؤ ڈالتے رہیں گے۔ میں نہیں چاہوں گا کہ کوئی جاسوس یا کوئی ڈاکٹر مائرہ کی اگلی پچھلی زندگی کے متعلق کوئی سوال کرے، جو بھی سوال ہو، وہ ہم دونوں بھائیوں سے کیا جائے۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ مائرہ صاحبہ کو کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔ میں نے آپ کے اطمینان کے لئے اپنے مسلمان اسسٹنٹ سرجن ساجد احمد کی ڈیوٹی لگائی ہے۔ وہی مائرہ صاحبہ کو اٹینڈ کرتا ہے۔''

صمد خان نے کرسی سے اٹھ کر کہا۔ ''میں مائرہ سے مل چکا ہوں۔ اس کے پاس اسد ہے۔ میں مطمئن ہوں اور جا رہا ہوں۔ میرے جانے کے بعد میدان صاف رہے گا۔ اس لئے سمجھا دوں کہ یہ جو بندوق کی گولیاں ہوتی ہیں یہ بالکل اندھی ہوتی ہیں مگر آنکھ والوں کی طرح صحیح نشانوں پر پہنچتی ہیں اگر کوئی گڑبڑ ہوگی تو ایک اندھی بیچاری سیدھی تمہارے سینے سے آکر لگے گی۔''

وہ وارننگ دے کر چلا گیا۔ سرجن شرما پہلے ہی دن سے سمجھ گیا تھا کہ صمد خان کے آگے بمبئی کی پولیس اور انتظامیہ بے بس ہے اور اس نے مسلمانوں کے کٹر دشمن شیوسینا کے سربراہ بال ٹھاکرے سے بھی کہہ دیا تھا کہ مہاراشٹر میں سیاسی برتری کے لئے داؤد ابراہیم کا تعاون چاہتے ہو تو کبھی میرے بھائی اسد کے معاملے میں مداخلت نہ کرنا۔

یہ مختلف ایجنسیوں والے جو تخریب کار اور دہشت گرد ہوتے ہیں یہ کسی باپ کے اور کسی مذہب کے نہیں ہوتے، صمد خان اور بال ٹھاکرے محض اپنے ناموں سے اور اپنے دین دھرم سے مختلف تھے لیکن مفادات حاصل کرنے کے معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر تھے۔

شرما نے انٹیلی جینس کے چیف سے کہہ دیا تھا کہ کوئی جاسوس یا پولیس والا دو دنوں

تک ہسپتال کا رخ نہ کرے۔ ورنہ ہسپتال کا ایک بھی مریض زندہ نہیں بچے گا۔ تمام مریضوں کی جان کو داؤ پر نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ اس لئے قانون کے کسی محافظ نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ مائرہ کے کمرے میں صرف نرس کو، اسد کو اور ڈاکٹر ساجد احمد کو جانے کی اجازت تھی۔ ساجد احمد بہت ہی خوش مزاج اور زندہ دل تھا۔ ہمیشہ ہنستا ہنساتا رہتا تھا۔ مائرہ اور اسد سے اس کی خوب بننے لگی تھی۔

ہسپتال سے رخصت ہوتے وقت دونوں نے ساجد احمد کا شکریہ ادا کیا اور اسے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''ڈاکٹر سے دوستی اچھی نہیں ہوتی کیونکہ ہم اچھوں کے نہیں بیماروں کے گھر جاتے ہیں۔ اگر میں آپ کے گھر آؤں گا تو پڑوسی سمجھیں گے کہ پڑوسن بیمار ہوگئی ہے۔''

اس بات پر سب ہنسنے لگے۔ اسد مائرہ کے ساتھ اس بنگلے میں آگیا جہاں صمد خان نے ان کی رہائش کا انتظام کرایا تھا۔

مائرہ بہت خوش تھی کہ زندگی میں پہلی بار بڑے ہسپتال میں بڑے ڈاکٹروں سے علاج کرایا گیا ہے لہٰذا وہ جلد ہی ماں بن سکے گی۔ اسد اور صمد خان اس بات پر خوش تھے کہ کینسر پھیلنے سے پہلے مائرہ کی زندگی بچالی تھی لیکن اسے ایک ماں بننے کی مسرتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا تھا اور یہ ایک ایسا مجرمانہ عمل تھا جسے مائرہ سے چھپایا گیا تھا۔

دو ہفتے بعد وہ اسد سے بولی۔ ''تم دوسرے بیڈروم میں کیوں چلے جاتے ہو کیا مجھ سے دل بھر گیا ہے؟''

''یہ بات نہیں ہے، ڈاکٹر نے کم از کم ایک ماہ تک ہمیں دور رہنے کو کہا ہے۔ جب تک تمہاری ضروری دوائیں جاری ہیں ہمیں ڈاکٹر کی ہدایات پر عمل کرنا چاہئے۔''

صرف ایک ماہ کی بات تھی اس نے صبر کیا۔ ورنہ جی چاہتا تھا، ہسپتال سے نئی زندگی ملنے کے بعد پھر ایک نئی دلہن کی طرح نئی محبتوں کے ساتھ اسد سے ایک ماں .... بننے کے حقوق حاصل کرنا شروع کر دے۔ پھر ایک ماہ سے قبل ہی ایک روز ڈاکیے نے ایک خط

لا کر دیا، اس وقت اسد موجود نہیں تھا۔ لفافے پر مائرہ کا نام سابقہ مایا کے طور پر لکھا ہوا تھا۔

اس بات نے تجسس پیدا کیا آخر کس نے اسے مایا کے نام سے وہ خط لکھا ہے؟ اس نے لفافے کو چاک کیا، خط ہندی زبان میں دہلی سے لکھا گیا تھا۔ وہ خط کچھ یوں تھا۔

''بیٹی مایا! سچ مانو، جب پتا چلا کہ میرے بھائی کی ایک نشانی زندہ ہے تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میں تمہارے باپو دھرم ویر عرف دھرما کا بڑا بھائی وکرم ویر ہوں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ دھرما جب دو برس کا تھا تو کچھ نامعلوم افراد نے اسے اغوا کر لیا تھا۔ وہ لوگ ہر پانچ دس برس کے بعد ہم سے دس لاکھ روپے کا مطالبہ کرتے تھے یہ رقم لے کر وہ دھرما کو واپس کرنا چاہتے تھے مگر ہم بہت غریب تھے اتنی بڑی رقم ادا نہیں کر سکتے تھے تمہاری دادی اور دادا رو پیٹ کر رہ جاتے تھے۔

وہ ظالم ہمارے پاس دھرما کی تصویریں بھیجتے تھے تاکہ ماں باپ اپنے اغوا شدہ بچے کی صورت دیکھ کر تڑپتے رہیں۔ انہوں نے پہلی ہی دھمکی میں کہا تھا کہ رقم ادا نہ کی گئی تو دھرما کو مسلمان بنا دیا جائے گا۔ دوسری بار رقم نہ بھیجنے پر انہوں نے ایک ایسی تصویر بھیجی جسے دیکھ کر صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اسے ہندو سے مسلمان بنا دیا گیا ہے۔ تمہاری دادی کا پہلے ہی دیہانت (انتقال) ہو گیا تھا، تمہارے دادا یہ صدمہ برداشت نہ کر سکے، وہ بھی اس دنیا سے چل بسے۔

مجھے آخری بار دھرما کی تصویر اس وقت ملی جب وہ بائیس یا چوبیس برس کا تھا۔ یعنی وہ اس قدر جوانمرد اور حوصلہ مند ہو گیا تھا کہ دشمنوں کے بیگار کیمپ سے نکل بھاگا ہو گا کیونکہ اس کے بعد ہمیں اس کی کوئی خبر نہیں ملی اور نہ ہی دشمنوں نے ہم سے پھر کبھی بڑی رقم کا مطالبہ کیا۔ ہم اپنے دھرما سے بالکل مایوس ہو کر صبر کر چکے تھے۔

ابھی ایک ہفتہ پہلے اچانک انکشاف ہوا کہ دھرما نے ایک اچھی خاصی طویل ازدواجی زندگی گزاری ہے، اس کی ایک جوان بیٹی اور جوان بیٹے کے علاوہ ایک گود کا بچہ بھی تھا۔ جوان بیٹا طاعون میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ دھرما دل برداشتہ ہو کر وہ بستی چھوڑ کر کہیں

دوسری جگہ جانے لگا۔ ایسے وقت ایک گاؤں کے چند لوگوں نے انہیں طاعون زدہ سمجھ کر مار ڈالا اور زندہ جلا دیا۔

ان ادھ جلی لاشوں کی تصویریں کئی علاقوں کے تھانوں میں ہیں۔ میں ایک تھانے میں سب انسپکٹر ہوں۔ جب وہ تصویریں میرے پاس پہنچیں تو میں نے دیکھتے ہی اپنے بھائی دھرم ویر عرف دھرما کو پہچان لیا۔ میں نے ایک ہفتے کی چھٹیاں لیں اور حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے نکل پڑا۔ ویسے تو پولیس کا ریکارڈ یہی بتا رہا تھا کہ اس کا نام دھرم ویر نہیں بلکہ مراد جان ہے۔ وہ شیخازی کے ساحل پر مشتاق ٹائیگر کے لیے اسمگلنگ کا دھندا کرتا تھا۔ پھر بمبئی بم دھماکے کے کیس کے سلسلے میں وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔ یہ حقیقت تو ہم خاندان والے جانتے تھے کہ وہ مسلمان نہیں ہے اس کا نام مراد جان نہیں ہے، اسے بچپن ہی سے جبراً مسلمان بنا دیا گیا تھا۔ میں تحقیقات کرتا ہوا سورت کی ایک مضافاتی بستی میں پہنچا تو پتا چلا کہ دھرما کا جوان بیٹا مر چکا ہے۔ اس کی چتا جلانے کے بعد وہ بیوی اور جوان بیٹی کے ساتھ کہیں چلا گیا ہے۔

یہ ہمارے لئے خوشی کی بات تھی کہ دھرما نے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ، اپنے اصلی دھرم کے ساتھ زندگی گزاری تھی۔ میں نے اسے تلاش کیا۔ آخر ایک تھانے میں اس کی ادھ جلی ہوئی لاش کی تصویریں ملیں، اس کے ساتھ اس کی دھرم پتنی اور گود کے بچے کی بھی لاشیں تھیں لیکن ان میں تمہاری زندہ یا مردہ تصویر نہیں تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ابھی زندہ ہو اور کہیں چھپی ہوئی ہو۔

مجھے پہلے ہی تفتیش کے دوران معلوم ہو چکا تھا کہ تمہاری شادی پنڈت شنکرم کندن لال سے ہوئی تھی۔ مجھے یہ سن کر بڑا غصہ آیا کہ تمہارے ماں نہ بننے کی وجہ سے تمہیں طلاق دی گئی ہے۔ میں سب انسپکٹر ہوں میرا رعب اور دبدبہ ہے۔ میں جا کر اس پنڈت کی گردن دبوچنا چاہتا تھا مگر پتا چلا کہ تمہارے اور پنڈت کے سلسلے میں ہائی لیول پر انکوائری ہو رہی ہے اور میں بڑے بڑے افسران اور انٹیلی جینس والوں کی انکوائری کے دوران کسی طرح

کی مداخلت نہیں کر سکوں گا۔

لہٰذا میں نے اوپر ہی اوپر سے معلومات حاصل کیں تو سب سے پہلے یہ سن کر صدمہ ہوا کہ تم مسلمان بن گئی ہو اور ایک ایسے خطرناک گروہ میں جا پھنسی ہو جس کی قوت کے سامنے بڑی بڑی مافیا تنظیمیں اور سیاسی ایجنسیاں ٹھہر نہیں پاتیں۔ تم نے اس گروہ کے ایک نوجوان کے ساتھ شادی کی ہے اور اب اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتے ہوئے بڑے دھوکے کھا رہی ہو۔

پہلا دھوکا تو یہ کہ شاید تمہارے باپو کی ادھ جلی لاش دکھا کر تمہیں قائل کیا گیا ہے کہ تم ایک مسلمان کی بیٹی ہو۔ جبکہ ہم تمہاری پیدائش سے پہلے تمہارے پورے کنبے کو جانتے ہیں۔ مجھ جیسے سگے بھائی سے زیادہ کوئی تمہارے باپ دھرم ویر کو نہیں جانتا ہے۔ ہم سب آج سے نہیں صدیوں سے آباؤ اجداد کے زمانوں سے ہندو ہیں اور ہندو رہیں گے۔

تمہیں دوسرا سب سے بڑا دھوکا یہ دیا جا رہا ہے کہ تم ایک دن اپنے بچے کی ماں بنو گی۔ جبکہ خطرناک زندگی گزارنے والے اور کسی دن بھی دشمن کی گولیاں کھا کر مر جانے والے کبھی یہ نہیں چاہتے کہ ان کی اولاد ہو اور ایک دن وہ بھی ان کی طرح حرام موت مرے۔ ہو سکتا ہے تمہیں میری باتوں کا یقین نہ آئے لیکن میں تمہارا صرف بزرگ ہی نہیں پولیس والا بھی ہوں۔ ٹھوس ثبوت کے ساتھ تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ صمد خان نے آج تک شادی نہیں کی۔ وہ بیوی بچوں کو اپنے لیے مصیبت نہیں بنانا چاہتا تھا۔ اس نے اسد خان کو بھی سمجھایا ہے کہ وہ تم سے صرف دکھاوے کی شادی کرے لیکن کبھی اپنے بچوں کی ماں نہ بنائے۔

یہ جو پچھلے دنوں تمہارا آپریشن کرایا گیا تھا وہ دراصل تمہیں بچوں سے محروم کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔ تم کسی دن راز داری سے ہسپتال جا کر آپریشن کی رپورٹ پڑھو۔ آپریشن سے پہلے صمد خان نے جبراً فارم میں یہ لکھایا تھا کہ تمہیں رحم کا کینسر ہو گیا ہے لہٰذا بچہ دانی کو نکال دینے سے تم کینسر سے محفوظ رہو گی۔ حالانکہ تمہیں کوئی تشویش ناک بیماری نہیں

تھی۔ وہ دونوں بھائی صرف تمہارے اندر سے اولاد کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا چاہتے تھے۔ اسی لئے ان دونوں نے آپریشن کے قانونی کاغذات پر اپنے دستخط کئے ہیں، اب اس سے بڑا ثبوت نہیں ہو سکتا کہ ان کے خطرناک گروہ میں اپنی اولاد پیدا نہیں کی جاتی ہے۔''

یہ ایسی باتیں تھیں جنہیں پڑھ کر مائرہ کا سر چکرانے لگا۔ وہ اسد سے بے انتہا محبت کرتی تھی صمد خان کو باپ کی جگہ مانتی تھی لیکن وہ خط بھی باپ جیسے ایک بزرگ نے لکھا تھا جو اس کے باپ کا بڑا بھائی تھا۔ اس میں بنیادی بات یہ تھی کہ وہ اپنے باپ کی پچھلی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ کبھی ماں جی اور باپو نے بھی نہیں بتایا تھا۔ پولیس کا ریکارڈ کہتا تھا کہ وہ مشتاق ٹائیگر کا ایک مسلمان کارندہ رہ چکا ہے۔

اور خط سے ظاہر ہوتا تھا کہ دھرما کو بچپن کا مسلمان بنایا گیا تھا۔ شاید اسی لئے خود کو مسلمان سمجھتا تھا۔ یا شاید اسے معلوم تھا کہ اسے جبراً مسلمان بنایا گیا ہے اس لئے اس کی دھرم پتنی شانتا نے اسے شوہر کی حیثیت سے قبول کیا تھا اور دنیا والوں سے یہ بات چھپائی تھی اور اولاد پر بھی یہ ظاہر کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

وہ خط بڑی حد تک درست لگ رہا تھا۔ اسد اور صمد خان بھی کسی طرح فریبی نہیں لگ رہے تھے۔ وہ دونوں طرف سے الجھ گئی تھی۔ جب تک سچائی سامنے نہ آتی، الجھن دور نہ ہوتی، اور سچ معلوم کرنے کے لیے اس آپریشن فارم کو پڑھنا ضروری تھا جس پر اسد اور صمد خان نے اپنے دستخط مائرہ کو ممتا سے محروم کرنے کے لئے کئے تھے۔

اس پہلو سے یہ بات بالکل واضح اور درست ثابت ہونے والی تھی کہ ان دونوں بھائیوں نے مجرمانہ مقاصد کے لئے اس مظلوم ممتا کی ماری کو ماں بننے سے محروم کر دیا ہے اور ایک لرزہ خیز رحم کے کینسر کا شوشہ چھوڑا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ انہوں نے اسے کینسر سے بچانے کے لئے ایسا آپریشن کرایا تھا۔

وہ تھوڑی دیر تک سر تھامے اپنے ہاتھ میں وہ خط پکڑے سوچتی رہی اور الجھتی رہی

اس کے اندر ایک نامعلوم سی فطری خوشی یہ بھی تھی کہ اس کا اپنا ایک سگا رشتے دار ہے وہ اس کے باپ کا بڑا بھائی ہے مگر کہاں ہے؟ اس نے خط کیوں تھا؟ خود ملنے کیوں نہیں آیا؟

اس نے خط کو آگے پڑھا۔ لکھا تھا۔ ''بیٹی! میں اسی ماہ پولیس کی نوکری سے ریٹائر ہونے والا ہوں تمہاری چاچی اور بھائی بہن بمبئی میں تھے۔ میں ایمرجنسی ڈیوٹی پر دہلی آیا ہوا تھا ایسے ہی وقت بمبئی میں جو فسادات ہوئے ان میں مسلمان درندوں نے میرے گھر میں آگ لگا دی اور تمہاری چاچی اور بھائیوں بہنوں کو قتل کر دیا میں اس صدمہ سے بیمار ہو کر ہسپتال میں ہوں۔ چند روز کے بعد یہاں سے چھٹی ہو جائے گی۔

میں نے ایک سب انسپکٹر ہونے کی حیثیت سے اپنے اعلیٰ افسران کو اپنی اور تمہارے باپو کی پوری ہسٹری لکھ کر دے دی ہے۔ انہوں نے تاکید کی ہے کہ میں تم سے دور رہوں کیونکہ تم ایک خطرناک گروہ میں پھنسی ہوئی ہو اور خود کو مسلمان سمجھتی ہو میں ان حالات میں تم سے ملاقات کرنا چاہوں گا تو وہ خطرناک لوگ مجھے گولی مار دیں گے۔

آہ! اب زندہ رہنے کے لئے کیا رہ گیا ہے؟ اتنی بڑی دنیا میں خون کے اور دھرم کے رشتے سے اگر کوئی ہے تو وہ صرف تم ہو۔ میری عمر زیادہ ہوگئی ہے۔ کسی دن کسی وقت بھی سانس رک جائے گی، یوں بھی زندگی کے دن پورے ہو رہے ہیں۔ میری آخری خواہش یہی ہے کہ میں دم توڑنے سے پہلے اپنے دھرما کی ایک اولاد کو صرف ایک بار دیکھ لوں۔

میرے اعلیٰ افسران نے سختی سے تاکید کی ہے کہ تم سے کوئی رابطہ نہ رکھوں اور ہمیشہ دور رہوں لیکن نوکری سے ریٹائر ہونے کے بعد میں افسروں کے حکم کا پابند نہیں رہوں گا۔ ہسپتال سے چھٹی ملتے ہی ریٹائرمنٹ کے لیے بمبئی آؤں گا تو سب سے پہلے تم سے ملنے آؤں گا۔ اگر ان مسلمانوں کو تم سے ذرا بھی ہمدردی ہوگی تو وہ ہمیں ملنے دیں گے۔ ورنہ میں تمہیں دور ہی سے دیکھ کر اپنی بدقسمتی پر روتا رہوں گا۔''

خط کے آخر میں اس کے باپ دھرم ویر کے بڑے بھائی وکرم ویر کا نام تھا۔ اس نے خط کو بے اختیار سینے سے لگا لیا اور آنکھوں میں آپ ہی آپ آنسو آ گئے۔ ابھی اسد سے کوئی

گلہ نہیں تھا باپ کے ہندو یا مسلمان ہونے نے الجھا دیا تھا لیکن شوہر تو بے انتہا محبت کرنے والا مسلمان تھا اب اس انتہائی محبت میں کہیں کھوٹ چھپی ہوئی تھی یا نہیں؟ یہ معلوم کرنا ضروری تھا مگر کیسے معلوم کرے؟ وہ تنہا ہسپتال جا کر آپریشن فارم کی تفصیلات نہیں پڑھ سکتی تھی بنگلے سے باہر جاتے وقت اس کے اور اسد کے ساتھ مسلح باڈی گارڈ ہوا کرتے تھے۔

وہ بے چین ہو کر اٹھ گئی۔ بدن کے کسی حصے میں ننھی سی پھانس بھی چبھی ہو تو جب تک نکل نہ جائے تب تک تکلیف وہ بنی رہتی ہے۔ وہ اپنی حقیقت معلوم کرنے کے لئے پریشان تھی، اپنی شناخت کھو چکی تھی۔ ہندو تھی یا مسلمان؟ اس کے اندر کی کوئی خرابی دور کر کے اسے بچوں کی ماں بنانے کے لئے آپریشن کیا گیا تھا یا اسے ہمیشہ کے لئے بانجھ بنا دیا گیا تھا؟

سچ معلوم کئے بغیر اسے سکون نہیں مل سکتا تھا۔ اس نے خط کو تہہ کر کے لباس میں چھپا لیا۔ پھر ذرا تکلیف سے کراہتی ہوئی بنگلے کے باہر آئی۔ سیکیورٹی افسر نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ ''مالکن! خیریت ہے؟''

وہ کراہتی ہوئی بولی۔ ''ہاں مگر میں صرف لیڈی ڈاکٹر کو بتا سکتی ہوں۔ مجھے فوراً ہسپتال لے چلو۔''

سیکیورٹی افسر نے ڈرائیور کو فوراً گاڑی لانے کے لئے کہا پھر موبائل فون کے ذریعے اسد یا صمد خان سے رابطہ کرنے لگا۔ مائرہ نے کہا۔ ''صرف اسد سے میری بات کراؤ۔ یہ میاں بیوی کا معاملہ ہے میں صرف اپنے شوہر سے بات کروں گی۔''

ڈرائیور کار لے آیا۔ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ سیکیورٹی افسر اگلی سیٹ پر آ گیا۔ آگے پیچھے مزید دو گاڑیاں تھیں جن میں مسلح محافظ تھے۔ پھر وہ قافلہ ہسپتال کی طرف چل پڑا۔ سیکیورٹی افسر نے کہا۔ ''مالکن! چھوٹے مالک سے رابطہ نہیں ہو رہا ہے شاید انہوں نے اپنا موبائل بند کر رکھا ہے۔ کیا بڑے مالک کو اطلاع دوں؟''

''نہیں میں کہہ چکی ہوں، یہ صرف میاں بیوی کا معاملہ ہے۔ ہسپتال پہنچنے کے بعد

پھر کوشش کرنا شاید اسد سے رابطہ ہو جائے۔“

وہ ہسپتال پہنچ گئی۔ کاؤنٹر پر معلوم ہوا کہ سرجن اے کے شرما موجود نہیں ہے لیکن ماتحت سرجن ساجد احمد اپنے چیمبر میں ہے۔ وہ ادھر جانے لگی اس کے پیچھے دو گارڈز چل رہے تھے۔ سیکیورٹی افسر نے ہسپتال سے باہر آ کر موبائل کے ذریعے صمد خان سے رابطہ کیا اور اسے موجودہ حالات بتائے۔ وہ سب صمد خان کے وفادار اور جاں نثار تھے۔ اسے چھوٹے بڑے ہر معاملے سے باخبر رکھتے تھے۔ صمد خان نے کہا۔ ”تم نے اپنا فرض ادا کیا ہے اس سلسلے میں مالکن سے کچھ نہ کہو اس کے باقی تمام احکامات کی تعمیل کرتے رہو۔“

مائرہ لفٹ کے ذریعے تیسرے فلور پر آئی۔ پھر ساجد احمد کے کمرے کے سامنے پہنچ کر دونوں گارڈز سے بولی۔ ”یہاں باہر رہو اور میری واپسی کا انتظار کرو۔“

وہ دونوں دروازے کے باہر رہے۔ وہ اندر آ گئی۔ ڈاکٹر ساجد احمد نے اسے دیکھتے ہی خوش ہو کر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”ارے آپ ہیں؟ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔ ابھی میں آپ ہی کو خیالوں میں دیکھ رہا تھا۔ آپ کے بارے میں جانے کیا کچھ سوچ رہا تھا۔ آئیے یہاں تشریف رکھیے۔“

وہ میز کی دوسری طرف ایک کرسی پر بیٹھ کر بولی۔ ”آپ میرے بارے میں سوچ رہے تھے۔ شاید میں ایسی سوچنے کی چیز ہوں، جو اچھی طرح سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ میں خود اپنے بارے میں یہی سوچتی ہوں کہ کیا ہوں؟ اور کس انجام کو پہنچنے والی ہوں۔“

وہ ذرا ہچکچاتے ہوئے، ذرا مسکراتے ہوئے بولا۔ ”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں آپ تو بڑے عیش و آرام سے زندگی گزار رہی ہیں۔“

”اولاد کے بغیر عیش و آرام کیسا؟ ایک ماں سے اس کا بچہ چھین کر اسے جنت میں بھی رکھو گے تو وہ خوش نہیں رہے گی۔ آپ ابھی میرے متعلق سوچ رہے تھے۔ آپ قسم کھائیں کیا میری محرومیوں کے متعلق نہیں سوچ رہے تھے؟“

”آہ؟“ وہ پریشان ہو کر بولا۔ ”آپ بڑی مایوسیوں والی باتیں کر رہی ہیں، کیا

اسد صاحب سے جھگڑا ہو گیا؟“

”ہوا نہیں ہے۔ ہونے والا ہے۔ اس سے پہلے میں آپ سے تصدیق کرنا چاہتی ہوں کہ آئندہ کبھی ماں بن سکوں گی؟“

”آہ؟ ہاں ہاں کیوں نہیں؟ آ، آپ، اے۔ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں؟“

”ساجد صاحب! میں آپ کو ایک ڈاکٹر نہیں ایک اچھا دوست بھی سمجھتی ہوں آپ کی لڑکھڑاتی ہوئی زبان کہہ رہی ہے کہ آپ کچھ خوف زدہ ہیں یا کسی وجہ سے سچ کو چھپا رہے ہیں۔“

وہ بولا۔ ”میرے لئے یہ بہت زیادہ خوشی کی بات ہے کہ آپ مجھے صرف ڈاکٹر نہیں، اچھا دوست بھی سمجھتی ہیں۔ آپ یقین کریں یا نہ کریں میں آپ کو دوست سے بھی زیادہ ایک ایسی ہستی سمجھتا ہوں جس کے لئے بڑی سے بڑی قربانیاں دی جاتی ہیں اور میں ایسی ہی ایک قربانی دے رہا ہوں۔“

”آپ مجھ سے کھل کر بات کریں میں برا نہیں مانوں گی۔ پھر یہ کہ آپ میرے لئے کوئی قربانی دے رہے ہیں تو مجھے معلوم ہونا چاہئے۔“

ساجد نے دروازے کی طرف دیکھا پھر کہا۔ ”یہاں تنہائی ہے کوئی اور سننے والا نہیں ہے۔ میں آپ کو صاف بتا دوں کہ آپ کو ایک زبردست فریب دیا جا رہا تھا۔ آپ جانتی ہیں کہ صمد خان کتنی بڑی دہشت ہیں انہوں نے ہمارے سرجن اے کے شرما کی اس بیٹی کو اغوا کیا تھا جو چند ماہ میں ماں بننے والی ہے اور کہا تھا کہ اگر آپریشن کے ذریعے مائرہ کو ہمیشہ کے لئے بانجھ نہ بنایا گیا یعنی اسے بچہ دانی سے محروم نہ کیا گیا تو شرما صاحب کی صاحبزادی کو بھی ماں بننے نہیں دیا جائے گا لہٰذا ایک میڈیکل رپورٹ تیار کی جائے کہ آپ کو رحم کا کینسر ہو گیا تھا۔ آپ کی جان بچانے کے لئے آپ کے شوہر اور بڑے بھائی آپ کو ماں بننے سے محروم کرنے کے قانونی فارم پر دستخط کر چکے ہیں۔“

وہ ہکا بکا سی ہو کر سن رہی تھی۔ آج جو خط موصول ہوا تھا اس میں بھی لکھا ہوا تھا کہ

خطرات سے بھرپور زندگی گزارنے والے نہ شادی کرتے ہیں اور نہ حرام موت مرنے والے بچے پیدا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ساجد کے بیان سے اس خط کی تحریر درست ثابت ہو رہی تھی۔

وہ ساڑھی کے آنچل میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ ڈاکٹر ساجد نے کہا۔ ''اگر آپ اپنے غصے اور جذبات پر یا صدمات پر قابو پائیں گی تو میں آپ کے تمام صدمات اور مصائب دور کر دوں گا۔''

وہ رو رو کر بولی۔ ''آپ لوگوں نے دہشت گردوں سے خوف زدہ ہو کر میری زندگی برباد کر دی، اب کیا میرے مصائب دور کریں گے۔''

''آپ بھول رہی ہیں کہ میں ایک ڈاکٹر سرجن ہوں، آپ کے مقدر کی لکیر بدل سکتا ہوں، آپ کو پھر سے ماں بننے کے قابل بنا سکتا ہوں۔''

وہ اپنے آنسو پونچھتی ہوئی بولی۔ ''آپ مجھے جھوٹی تسلی دے رہے ہیں۔''

''میں کہہ نہیں سکتا کہ میری زندگی کتنی رہ گئی ہے، صمد خان کے آدمی کسی دن مجھے گولیوں سے چھلنی کر دیں گے کیونکہ میں نے انہیں دھوکا دیا ہے۔''

''کیسا دھوکا؟''

''بات اصل میں یہ ہے کہ سرجن شرما آپریشن تھیٹر میں آئے تھے لیکن اپنی بیٹی کے اغوا ہونے کے باعث ذہنی طور پر بہت پریشان تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں تمہارا آپریشن کروں اور تمہارے شوہر کی خواہش کے مطابق تمہیں ہمیشہ کے لئے ماں بننے سے محروم کر دوں۔ اس طرح آپریشن کی ذمے داری شرما صاحب نے نہیں، میں نے لی۔''

ساجد نے ایک ذرا توقف کے بعد کہا۔ ''اب میں صاف طور پر کہہ دوں کہ پہلی بار جب میں نے تمہیں دیکھا تھا تب ہی سے تمہارا دیوانہ ہو گیا تھا۔ میری دیوانگی کا اندازہ اس طرح کر سکتی ہو کہ میں نے تمہاری زندگی برباد نہیں کی۔ میں صمد خان سے خوف زدہ نہیں ہوا۔ یہ عہد کر لیا کہ تمہاری خاطر جان دے دوں گا لیکن ایسا آپریشن نہیں کروں گا جو تمہیں

ماں بننے سے محروم کر دے۔''

وہ اسے احسان مندی سے اور بڑی عقیدت سے دیکھ رہی تھی وہ بولا۔ ''نہ تمہیں رحم کا کینسر ہے اور نہ ہی میں نے تمہیں بچہ دانی سے محروم کیا ہے۔ میں نے تمہارے پیار کی دیوانگی میں ایسا کیا ہے اور یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ جس دن تمہارے ماں بننے کے آثار پیدا ہوں گے اسی دن صمد خان کے آدمی مجھے گولی مار دیں گے۔''

مائرہ کو زندگی میں پہلی بار معلوم ہو رہا تھا کہ پیار کسے کہتے ہیں اور پیار کی خاطر کس طرح جان کی بازی لگائی جاتی ہے۔ ساجد نے ایک فائل نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ''چونکہ آپریشن کی ذمے داری مجھے دی گئی تھی اس لئے اس کی متعلقہ فائل میرے پاس رہتی ہے۔''

مائرہ نے اسے کھول کر دیکھا۔ اندر کئی کاغذات تھے۔ سب سے اوپر وہی فارم تھا جس پر اسد اور صمد خان نے مائرہ کو کینسر سے بچانے کے لئے دستخط کئے تھے۔ بعض اوقات چہرے ایسے مسخ کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ پہچانے نہیں جاتے۔ حالات کو اتنے پہلوؤں سے بگاڑ دیا جاتا ہے کہ صحیح حالات ان میں گڈمڈ ہو کر اپنی سچائی کھو دیتے ہیں۔ ایسے وقت جو تصویر اور جو تحریر مستند بن کر سامنے آتی ہے اسی پر اعتبار ہوتا ہے۔

مائرہ نے فرطِ عقیدت سے ڈاکٹر ساجد کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''آپ نے میرے لیے زندگی کو داؤ پر لگایا ہے میں آپ کی خاطر اسد کے بچے کی ماں نہیں بنوں گی۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

''میں ایسے دشمن کے ساتھ نہیں رہوں گی جو میرے بچے کو پیدا ہونے سے پہلے قتل کرنا چاہتا ہے بلکہ اس فارم پر دستخط کر کے وہ میرے ہونے والے بچوں سے دشمنی کر چکا ہے۔ آپ نے بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے میں جب بھی ماں بننے لگوں گی تو وہ لوگ آپ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''وہ بولا۔ ''یوں تو دوسرے شہروں میں میرے رشتے دار ہیں لیکن میں یہاں تنہا

رہتا ہوں میرا کوئی سگا رشتے دار نہیں۔ میں نے پہلی بار آپ کو اپنا اور اس قدر سگا سمجھا ہے کہ ایک دن آپ کے لئے جان ضرور دوں گا، آپ میری فکر نہ کریں، آپ کو برسوں کی آرزوؤں کے مطابق ایک بچے کی ماں ضرور بننا چاہئے۔''

''ابھی میرے لئے یہ مسئلہ ہے کہ میں دشمنوں سے کیسے نجات حاصل کروں، کیا میں اس دوسرے دروازے سے باہر جا سکتی ہوں؟''

''تم دوسرے دروازے سے کیوں جانا چاہتی ہو؟''

''اس دروازے پر دو باڈی گارڈز کھڑے ہوئے ہیں۔ اب میں ان کی نگرانی میں اسد کے گھر واپس نہیں جاؤں گی۔''

''پھر کہاں جاؤ گی؟ وہ لوگ بہت خطرناک ہیں، تمہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔ دھوکا اور اپنی بے عزتی برداشت نہیں کریں گے۔''

''برداشت نہ کریں۔ زیادہ سے زیادہ مجھے گولی مار دیں گے۔ آپ میری خاطر جان دینے کے لئے یہاں بیٹھے ہیں، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم جئیں تو ایک ساتھ اور مریں تو ایک ساتھ؟''

وہ خوش ہو کر بولا۔ ''یہ تو آپ میرے دل کی بات کہہ رہی ہیں۔ میرے ساتھ رہنے کی بات کہہ رہی ہیں اور یہ حوصلہ کر رہی ہیں تو پھر میں آخری سانس تک آپ کی حفاظت کروں گا۔ جب مرنا ہی ٹھہرا تو بچنے کی آخری حد تک کوشش کریں گے۔ ناکام ہوئے تو اپنی جان دے دیں گے۔''

دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھام لیا جب موت کا خوف دل سے نکل جائے تو صرف زندگی اور محبت رہ جاتی ہے۔ وہ ایک بے خوف زندگی کے لئے اس دفتر کے دوسرے دروازے سے باہر چلے آئے ہسپتال کے پچھلے احاطے میں ڈاکٹر ساجد احمد کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس میں بیٹھ گئے، ساجد کار ڈرائیو کرنے لگا مائرہ نے پوچھا۔ ''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''میں بہت بڑے ہسپتال کا بہت مشہور ڈاکٹر ہوں یہاں کے اعلیٰ حکام، اعلیٰ پولیس افسران اور انٹیلی جینس کے ڈائریکٹر جنرل وغیرہ میری عزت کرتے ہیں تمہاری بھی عزت اور حفاظت کریں گے۔ ویسے یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنے ساتھ ہونے والے دھوکے کا علم کیسے ہوا؟''

''آج دہلی سے میرے نام ایک خط آیا۔ وہ خط میرے باپو کے بڑے بھائی وکرم ویر نے لکھا تھا اور مجھے مایا کے نام سے مخاطب کیا تھا۔ میری زندگی کا ایک المیہ یہ ہے کہ میری کوئی صحیح شناخت نہیں ہے، میں ہندو ہوں، مسلمان ہوں، مایا ہوں یا مائرہ ہوں؟ آخر کون ہوں؟ آج دہلی سے آنے والے خط نے پھر مجھے بری طرح الجھا کر رکھ دیا ہے۔''

وہ شروع سے اب تک کی روداد سنانے لگی۔ ڈاکٹر ساجد نے سب کچھ سننے کے بعد کہا۔ ''آپ نے بچپن سے اپنی ماں جی کو ہندو رسم و رواج کے مطابق زندگی گزارتے دیکھا۔ پھر چھ برس تک ایک ہندو کی دھرم پتنی بھی بنی رہیں، ادھر صرف چند ماہ سے ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی گزار رہی ہیں۔ اپنے دل میں جھانک کر دیکھنا اور سمجھنا چاہئے کہ آپ کس مذہب کی طرف مائل ہیں۔ مذہب کوئی سا ہو، اسے دل سے تسلیم کیا جاتا ہے۔''

''ہاں مگر دل کے علاوہ نسلی تقاضے بھی ہوتے ہیں۔ باپ کے خون کا حساب لازمی ہوتا ہے۔ اولاد کو مذہب ورثے میں بھی ملتا ہے۔ جو نام باپ کے حوالے سے ملے گا اسی نام کے مطابق اولاد کا مذہب ہوگا۔''

''مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے والد کا نام مراد جان بھی ہے اور دھرم ویر بھی۔ آج موصول ہونے والا خط دھرم ویر کی تصدیق کر رہا ہے۔''

''اور ساحلی بستی شیخاڑی سے لے کر پولیس کے ریکارڈ تک باپو کا نام مراد جان ہے۔ پولیس رپورٹ کے مطابق میرے دادا بھی شیخاڑی کے ایک ماہی گیر تھے، اب بتائیں کہ پولیس کی تفتیش اور رپورٹ کو کیا جھٹلایا جا سکتا ہے؟ اور آج یہ ملنے والا خط میرے

باپو کو پیدائشی ہندو ظاہر کر رہا ہے۔''

''پولیس نے مشتاق ٹائیگر کے خلاف بڑے پیمانے پر چھاپا مارا تھا اس کے دفتر سے مراد جان وغیرہ جیسے اسمگلر کارندوں کی فائلیں اور پوری ہسٹری شیٹ برآمد ہوئی تھیں اتنے بڑے پیمانے پر ہونے والی تفتیش آپ کے والد کو مسلمان ہی ثابت کرتی ہے۔''

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر بولی۔ ''اس خط کو بھی پوری طرح غلط نہیں کہا جا سکتا۔ مجھے اس فراڈ کا علم تو ہوا کہ اسد مجھ سے اولاد نہیں چاہتا تھا۔''

ایسا کہتے وقت مائرہ کو پچھلی باتیں یاد آنے لگیں۔ اسد نے اس سے کہا تھا کہ ابھی بچوں کی ماں بننا کیا ضروری ہے؟ میاں بیوی کو شادی کے پہلے چند برسوں میں اس طرح انجوائے کرنا چاہئے کہ ان کے درمیان کوئی تیسرا مداخلت کرنے والا نہ آئے۔

پھر کئی بار اسد نے مائرہ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانے کے سلسلے میں .... بیزاری ظاہر کی نہ کبھی اس نے باپ بننے کی خوشیوں کا اظہار نہیں کیا۔ وہ کئی بار اس سے ناراض بھی ہوئی مگر اس نے بہلا پھسلا کر پھر اسے منا لیا۔ ایسی کئی باتیں تھیں جو خط کی اس تحریر کی تصدیق کرتی تھیں کہ خطرات سے کھیلنے والے دونوں بھائی گھریلو زندگی گزارنا اور اپنے بچے پیدا کرانا نہیں چاہتے ہیں۔

☆======☆======☆

صمد خان بار بار فون کر رہا تھا۔ مائرہ کو ڈھونڈ نکالنے کے لئے جتنے ذرائع تھے ان سب کو استعمال کر رہا تھا۔ داؤد ابراہیم کو بھی اطلاع پہنچا دی تھی کہ اس کے گھر کی عزت پر ذرا سی بھی آنچ آئے گی تو وہ پورے بمبئی میں آگ لگا دے گا۔

داؤد ابراہیم کی طرف سے پیغام ملا، ذرا صبر کرو۔ یہ معاملہ سیاسی نہیں مذہبی ہے۔ بھارتی حکمران دوسرے کئی معاملات میں الجھے ہوئے ہیں۔ وہ مہاراشٹر میں بمبئی دھماکے کی طرح پھر کوئی سیاسی دھماکا نہیں چاہیں گے۔ اس پہلو پر غور کرو کہ مائرہ عرف مایا ایک مذہبی متنازعہ مسئلہ ان ہندوؤں کے لئے ہے جو مسلمانوں کو بالکل برداشت نہیں کرتے ہیں، ایسے کٹر انتہا پسند ہندو اور ان کی جماعتیں ہماری نظروں میں ہیں۔ ہم ان تک پہنچ جائیں گے۔ ذرا صبر کرو۔

ایک مسلح گارڈ نے آ کر اطلاع دی۔ ''مالک! چھوٹے مالک آ رہے ہیں، وہ بہت غصہ میں ہیں باہر کا پھاٹک کھلنے کا بھی انتظار نہیں کیا اپنی گاڑی سے پھاٹک توڑ کر گارڈن میں آ گئے ہیں۔''

اس کی بات ختم ہوتے ہی اسد تیزی سے چلتا ہوا کھلے ہوئے دروازے سے اندر آیا پھر بڑے بھائی کو دیکھ کر چیختے ہوئے بولا۔ ''کہاں ہے مائرہ؟''

اس بڑے ہال میں مزید چار مسلح گارڈز تھے۔ صمد خان نے ان سب کو باہر جانے کے لئے کہا جب وہ چلے گئے تو اس نے اسد سے کہا۔ ''تم ایسے گرج رہے ہو جیسے مائرہ کو میں نے چھپا کر رکھا ہے اس مائرہ کو جسے بیٹی سمجھتا ہوں۔''

"آپ کی کوئی بیٹی ہوسکتی ہے نہ بیٹا۔ اگر کوئی ہوتا تو اسے بھی مائرہ کی طرح اغوا کرلیا جاتا اس لئے آپ نے شادی نہیں کی گھر نہیں بسایا۔ اولاد پیدا نہیں کی۔ اگر مائرہ کے آپریشن کا معاملہ نہ ہوتا تو آپ مجھے بھی اس کے ساتھ یورپ یا امریکہ کا بھیج دیتے تاکہ میں آپ کے تمام دشمنوں سے ہزاروں میل دور محفوظ رہوں۔"

"تم جو کچھ کہہ رہے ہو، اس کے لئے گرجنے کی کیا ضرورت ہے، آرام سے بولو۔"

"میں جانتا ہوں آپ کے سامنے کوئی اونچی آواز میں نہیں بولتا ہے۔ میں بول رہا ہوں، مجھے گولی مار دیں۔ اولاد تو کوئی نہیں ہے۔ بھائی بھی دنیا سے چلا جائے گا۔ پھر آپ کی کوئی کمزوری نہیں رہے گی۔ کوئی آپ کو فیملی کے حوالے سے بلیک میل نہیں کرے گا۔"

"ہاں، ایسی زمین پر کیسے قدم جمائے جائیں، جہاں پھسلن ہی پھسلن ہو۔ ایسی جگہ ہم سنبھلتے رہیں یا بیوی کو سنبھالتے رہیں۔ میں تو اسے دانشمندی نہیں سمجھتا کہ جہاں ہم اوندھے منہ گر رہے ہوں وہاں اپنے بچوں کو بھی منہ کے بل گرائیں۔"

"کیا بھارت میں کروڑوں کی تعداد میں جو مسلمان ہیں، وہ سب منہ کے بل گر رہے ہیں؟"

صمد خان نے سرد لہجے میں کہا۔ "جب ایک مائرہ اغوا کرلی جاتی ہے تو پورا خاندان ننگا ہوجاتا ہے۔ جب مسجد کی ایک دیوار گرائی جاتی ہے تو پوری مسلمان قوم اوندھے منہ گر پڑتی ہے۔ تمہارے جیسے منہ کے بل گرنے والے اس خوش فہمی میں ہیں کہ اپنے پیروں پر کھڑے ہوئے ہیں۔ مجھے دیکھو اور مسجد کی ایک اینٹ گرانے والوں سے کہو کہ وہ صمد خان کی قمیص کا ایک بٹن گرانے کی جرأت کریں۔ خدا کی قسم، یہاں کا ہر سیاستداں اپنے علاقوں کے ووٹ بینک محفوظ رکھنے کے لئے میرے آگے ہاتھ جوڑتا رہے گا۔"

اسد نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "واہ بھائی جان! میں تو آپ کو مسلمان سمجھتا تھا لیکن آپ کی نظروں میں مسجد کی ایک اینٹ سے زیادہ آپ کی قمیص کے بٹن کی اہمیت ہے۔ انتہا پسند ہندو اینٹ گرائیں تو کوئی بات نہیں آپ کی قمیص کا بٹن نہیں گرنا چاہئے۔"

"مجھے طعنے نہ دو یہ بتاؤ اتنی بڑی دنیا میں کتنے باعمل مسلمان ہیں؟ جن لمحات میں کشمیر کے مجاہدین شہید ہوتے رہتے ہیں ٹھیک انہی لمحات میں کتنے ہی اسلامی ممالک میں کیبرے ڈانس ہوتے رہتے ہیں۔ دس لاکھ حاجی آب زم زم پیتے ہیں دس کروڑ مسلمان شراب پیتے ہیں۔ بڑے بڑے دولت مند اسلامی ممالک میں آسمان سے باتیں کرتی ہوئی بلند و بالا عمارتیں کھڑی ہوئی ہیں، ان عمارتوں کی بھیڑ میں مسجد کی ایک اینٹ گرادی جاتی ہے اور اس کی آہٹ مسلمان قوم کو سنائی نہیں دیتی۔ تم مجھے طعنہ دے رہے ہو کہ میں اپنی قمیص کے بٹن کو اہمیت دے رہا ہوں مگر ان سے کیا کہو گے جو اپنی ہی مسجدوں میں بم کے دھماکے کرتے ہیں اور نمازیوں کے چیتھڑے اڑا دیتے ہیں؟"

وہ اپنے صوفے پر سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "کتنے ہندو ہیں جو اپنی ہی ہندو عورتوں کی عزت لوٹتے ہیں؟ کتنے مسلمان ہیں جو اپنے ہی مسلمان بھائی کا گھر اجاڑتے ہیں؟ سچے ایمان والے لوگ شاید کہیں مل جاتے ہوں گے۔ ورنہ مسلمان اور ہندو صرف اس لئے اپنی تعداد بڑھاتے ہیں کہ اللہ اکبر کے نعرے اور جے کالی کی گونج ایک دوسرے سے زیادہ ہو۔ سیاست میں اپنے ووٹ بینک زیادہ ہوں اور دوسروں کے کم۔ خاندانی منصوبہ بندی میں مسلمانوں کی نس بندی زیادہ ہو۔ پھر بھی مسلمانوں کی آبادی بڑھتی رہے تو اسے کم کرنے کے لئے مسلمانوں کے ہی ذریعے قاہرہ کانفرنس منعقد کی جائے۔"

وہ اسد کی طرف پلٹ کر بولا۔ "بے شک دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی میں کمی ہونی چاہیے۔ اس وقت دنیا میں آبادی کا بہت ہی تشویش ناک اضافہ ہورہا ہے، ہم مسلمان کہتے ہیں کہ انسانوں کی تعداد ایک مناسب حد تک ہونی چاہئے لیکن دشمن چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہونی چاہئے۔"

اس نے انگلی اٹھا کر کہا۔ "تم میرے پاس گرجتے ہوئے آئے ہو۔ اس لئے میں زیادہ نہیں سمجھاؤں گا۔ صرف اتنا سمجھ لو کہ اس دیس میں مسلمانوں کی تعداد کم کرنے کے کئی ذرائع میں سے ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ مائرہ جیسی عورتیں مسلمان بچے پیدا نہ کریں، وہ یہ

کبھی نہیں چاہیں گے کہ جو کبھی مایا تھی وہ مائرہ بن کر تمہارے پاس رہے۔ جو قوم تمہاری طرح گرجنا جانتی ہے، برسنا نہیں جانتی یا پھر عیاشیوں میں ڈوبی رہتی ہے۔ وہاں پھر سلطانہ ڈاکو، روبن ہڈ اور صمد خان جیسے چور بدمعاش اور لٹیرے پیدا ہوتے ہیں۔ پہلے ڈاکو ہوا کرتے تھے اب سیاسی ایجنسیاں ہوا کرتی ہیں۔ ایجنسیاں مذہبی نہیں، سیاسی زلزلے پیدا کرتی ہیں۔ اسی لئے میں انتہا پسند ہندوؤں کے لئے بھی کام کرتا ہوں اور بی جے پی اور کانگریس کے لئے بھی اور کبھی مسلمانوں کے بھی کام آجاتا ہوں۔ یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ ایمان والا ہوں۔ میں ان لاکھوں مسلمانوں میں سے ہوں جو پچاس لاکھ روپے کی اپنی کوٹھی بناتے ہیں اور پانچ روپے مسجد کی تعمیر کا چندہ دیتے ہیں لیکن............‘‘

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ دونوں بھائیوں کی نظریں ملیں۔ پھر صمد خان نے کہا۔ ’’لیکن ہم جیسے تخریب کار ایجنسیوں والے دین دھرم کو چاہے نہ مانیں مگر غیرت پر بات آئے تو ہمارے اندر کا انسان بھڑک جاتا ہے۔ میں یہ کبھی برداشت نہیں کروں گا کہ میرے بھائی کی شریک حیات کو دشمن پھر سے مایا بنانے لے جائیں۔‘‘

اسد نے کہا۔ ’’لیکن بھائی جان! سیکیورٹی گارڈز کہہ رہے تھے کہ مائرہ کو وہ ڈاکٹر ساجد احمد بھگا کر لے گیا ہے ہم سے کسی ہندو نے دشمنی نہیں کی ہے۔‘‘

’’کیا ایک مسلمان ڈاکٹر خریدا نہیں جا سکتا؟ وہ انتہا پسند ہندوؤں کے دباؤ میں آکر مائرہ کو بہلا پھسلا کر ان کے پاس نہیں لے جا سکتا؟ میں دوسروں کے خلاف چالیں چلتا ہوں اس لئے دوسروں کی چالیں چلنے کے انداز سمجھ سکتا ہوں۔ ہمارے سیکیورٹی افسر کے بیان کے مطابق صبح ایک ڈاکیا خط لے کر آیا تھا مائرہ نے وہ خط ضرور پڑھا ہوگا۔ اس کے بعد ہی وہ ہسپتال جانے کے بہانے سے ڈاکٹر ساجد احمد کے پاس گئی۔ پھر اس کے ساتھ کہیں جا کر روپوش ہوگئی۔‘‘

’’میں جانتا ہوں کہ آپ اسے تلاش کرنے کے تمام ذرائع استعمال کر رہے ہوں گے اور جو دشمن پارٹی آپ جیسے پہاڑ سے ٹکرا رہی ہے اس نے بھی مائرہ کو اس طرح چھپایا ہو

گا کہ آپ کو اس کی ہوا بھی لگنے نہ پائے گی۔‘‘

صمد خان نے فون کے نمبر ڈائل کئے پھر رابطہ ہونے پر کہا۔ ’’میں ایس خان بول رہا ہوں۔ بال ٹھاکرے سے بات کراؤ۔‘‘

دوسری طرف سے خوشامدانہ آواز آئی۔ ’’خان صاحب! میں ٹھاکر صاحب کا خاص آدمی اٹل بہاری بول رہا ہوں۔ ٹھاکر صاحب موجود نہیں ہیں۔ آپ مجھے پیغام دیں۔‘‘

صمد خان نے کہا۔ ’’تمہاری شیوسینا حکمرانوں سے اپنے مطالبات منوانے کے لئے بمبئی میں کچھ اور ہنگامے اور فسادات کرانا چاہتی تھی۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں، اس سلسلے میں کیا ہو رہا ہے؟‘‘

’’آپ اپنے داؤد سیٹھ سے پوچھ لیں۔ ہم نے پندرہ کروڑ روپے کی آفر دی تھی لیکن وہ پچیس مانگتے ہیں اس لئے بات آگے نہیں بڑھ رہی ہے۔‘‘

’’دہلی حکومت سے تمہارے مطالبات بہت اہم ہیں۔ اس کے باوجود تمہاری پارٹی نے سیٹھ داؤد سے سودا نہیں کیا اور یہ بہت اچھا کیا۔ اب کسی سودے کے بغیر بمبئی میں ہنگامے ہوں گے اور تمہارے پندرہ کروڑ محفوظ رہیں گے۔‘‘

’’اٹل بہاری نے پوچھا۔ ’’کیا آپ کسی سودے کے بغیر اس شہر میں سیاسی ہنگامے کرائیں گے؟‘‘

’’ہاں، بات اصل میں یہ ہے کہ میرے بھائی کی شریک حیات کو اغوا کیا گیا ہے۔ اب میں غصے، جوش اور جنون میں یہاں تخریب کاری کراتا رہوں گا تو حکمران پریشان ہو کر تمہاری پارٹی کے مطالبات تسلیم کرلیں گے۔‘‘

’’خان بھائی! اس میں شبہ نہیں کہ حکمرانوں کو ہمارے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑیں گے مگر یہ سن کر افسوس ہوا ہے کہ آپ کے گھر کی عزت پر حملہ کیا گیا ہے۔ جس پر شبہ ہو آپ اس کا نام بتائیں ہم اسے کتے کی موت ماریں گے۔‘‘

’’میں نے ان تمام کتوں کی فہرست اپنے ذہن میں بنالی ہے اگر میرے بھائی کی

شریک حیات چھ گھنٹے کے اندر عزت آبرو سے واپس نہ ملی تو شیو سینا کے تمام اہم سیاستدان مریں گے ان میں تمہارا بھی نام ہے۔‘‘

’’خان بھائی! یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟‘‘

’’یہی کہہ رہا ہوں۔ مجھے غصے اور جنون میں مبتلا کرنے کے لئے اور حکمرانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے اور اپنے پندرہ اور پچیس کروڑ روپے بچانے کے لئے تم لوگ آگ میں کود پڑے ہو۔ ہلدی لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا۔ تم لوگوں نے سوچا تھا کہ اپنے پلے سے کچھ نہیں جائے گا اور مجھ جیسا خان غیرت میں آکر آگ اور بارود کا کھیل شروع کر دے گا۔‘‘

’’آپ ہمیں غلط سمجھ رہے ہیں۔ ہم نے ایسی کوئی حماقت نہیں کی ہے۔‘‘

’’اٹل بہاری! میں نے جو کہہ دیا۔ وہ اٹل ہے۔ اپنے پارٹی لیڈروں سے کہہ دو۔ سیاست ایک الگ چیز ہے اور سیاستدانوں سے کھیلنے والی ایجنسیاں صرف بارود ہوتی ہیں، صرف چھ گھنٹے میں یہ بارودی دھاکے تمہاری طرف آنے والے ہیں۔‘‘

صمد خان نے فون بند کر دیا۔ اسد نے کہا۔’’بھائی جان! آپ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ مائرہ کو اغوا کرانے میں شیو سینا والوں کا ہاتھ ہے۔‘‘

صمد خان نے کہا۔’’آدمی ہو یا سانپ دونوں کو اس کی فطرت سے پہچانا جاتا ہے۔ سانپ کو دودھ پلاؤ تب بھی وہ ڈس لے گا۔ شیو سینا جیسی انتہا پسند ہندو جماعت مسلمانوں سے اتنی شدید نفرت کرتی ہے کہ وہ ہم جیسے مسلمانوں سے سیاسی تعاون حاصل کرنے کے باوجود یہ برداشت نہیں کریں گے کہ ان کی ایک ہندو مایا مسلمان مائرہ بن کر مسلمانوں کی آبادی بڑھائے۔‘‘

دونوں بھائی اس موضوع پر تھوڑی دیر باتیں کرتے رہے۔ پھر فون کی گھنٹی نے انہیں مخاطب کیا۔ صمد خان نے ریسیور اٹھا کر کہا۔’’ہیلو میں ایس خان بول رہا ہوں۔‘‘

’’میں مائرہ بول رہی ہوں۔‘‘

’’ہیلو مائرہ! ہم تمہارے لئے پریشان ہیں، تم کہاں ہو؟‘‘

اسد نے مائرہ کا نام سن کر چونکتے ہوئے فون کی طرف دیکھا۔ پھر بھائی سے ریسیور لے کر بولا۔’’ہیلو میں تمہارا اسد بول رہا ہوں۔ تم مجھے چھوڑ کر اچانک کہاں چلی گئی ہو؟‘‘

’’میں زیادہ نہیں بولوں گی صرف اتنا کہتی ہوں کہ مجھے طلاق دے دو۔‘‘

’’یہ کیا بکواس کر رہی ہو۔ تم نے میرے ساتھ جینے اور مرنے کی قسمیں کھائیں اور اب طلاق مانگ رہی ہو؟‘‘

صمد خان نے طلاق کی بات پر چونک کر بھائی کو دیکھا۔ پھر فون کے اسپیکر کو آن کر دیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔’’مجھے تم دونوں بھائیوں کا فراڈ معلوم ہو چکا ہے۔ تمہارے بھائی نے کبھی شادی نہیں کی۔ تاکہ اولاد نہ ہو اور تم نے بھی بھائی کے ذریعے ڈاکٹر کو مجبور کیا کہ وہ آپریشن کے ذریعے مجھے ہمیشہ کے لئے ماں بننے سے محروم کر دے۔‘‘

’’تم غلط سمجھ رہی ہو۔ ہم نے تمہیں کینسر سے بچانے کے لئے ....‘‘

وہ بات کاٹ کر بولی۔’’بکواس مت کرو۔ مجھے کوئی کینسر وینسر نہیں تھا۔ ڈاکٹر نے تمہارے بھائی جان کے خوف سے کینسر کی وہ جھوٹی میڈیکل رپورٹ تیار کی تھی۔‘‘

صمد خان نے کہا۔’’مائرہ! میں تمہیں بیٹی کہتا ہوں۔ تم سے کبھی فراڈ نہیں کر سکتا۔ یہ انتہا پسند ہندو تمہیں پھر سے مایا بنانا چاہتے ہیں۔‘‘

وہ بولی۔’’آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے میں ایک مسلمان کی بیٹی ہوں اور تمہارے بھائی سے طلاق لے کر عدت کے دن گزارنے کے بعد ایک مسلمان ڈاکٹر ساجد احمد سے شادی کروں گی۔ اس ڈاکٹر کو آپ دشمن کہیں گے لیکن وہ شریف اور سچا اور ایک فرض شناس ڈاکٹر ہے۔ اس نے آپ دونوں بھائیوں کی خواہش کے مطابق میرا منفی آپریشن نہیں کیا خدا نے چاہا تو میں شادی کے بعد کسی دن بھی اپنے ساجد کے بچے کی ماں ضرور بنوں گی۔‘‘

اسد نے کہا۔’’ڈاکٹر ساجد احمد سے ایک بار میری بات کراؤ۔ میں معلوم کرنا چاہتا

ہوں کہ وہ مجھ سے دشمنی کیوں کر رہا ہے؟''

صمد خان نے کہا۔''اگر ڈاکٹر ساجد ہمارے دشمنوں کے تحت دباؤ میں رہ کر تمہیں ہم سے الگ کر رہا ہے تو میں ڈاکٹر ساجد کو پورا تحفظ دوں گا کوئی بڑے سے بڑا زبردست دشمن بھی اس کا بال بیکا نہیں کر سکے گا۔''

''میں اسد سے کہہ رہی ہوں۔ وہ مجھے اپنے بھائی جان کی گواہی میں فون پر تین طلاقیں دے۔ ورنہ میں قانونی تحفظ حاصل کر کے نجات حاصل کروں گی۔ اگر کوئی انتقامی کارروائی کی جائے گی تو اپنے ڈاکٹر ساجد کے ساتھ جان پر کھیل جاؤں گی۔''

صمد خان نے اسد کو اشارہ کیا۔ پھر کہا۔''تم اچانک طلاق کا مطالبہ کر رہی ہو۔ تم جو چاہو گی وہی ہوگا لیکن ہمیں غیر متوقع حالات پر غور کرنے کی تھوڑی سی مہلت دو۔ ہم کوئی انتقامی کارروائی اس لئے نہیں کریں گے کہ تم ہمیں چھوڑنے کے بعد بھی اپنے باپ کا مذہب نہیں چھوڑو گی اور ایک مسلمان کی شریک حیات بن کر رہو گی۔''

''ٹھیک ہے میں آج رات کسی وقت فون کروں گی اور طلاق ضرور حاصل کروں گی۔''

رابطہ ختم ہو گیا۔ صمد خان نے بھائی سے کہا۔''میں تقریباً تین گھنٹے سے معلوم کر رہا تھا کہ سرجن اے کے شرما کہاں ہے، جب پتا چلا کہ اس کی پوری فیملی امریکا جا چکی ہے اور وہ بھی شاید جا چکا ہے' یا کہیں روپوش ہے تب مجھے شبہ ہوا کہ ہمارے ساتھ فریب کیا گیا۔ تصدیق میں نے لندن کے ڈاکٹر سے کرائی تھی، وہ رپورٹ درست ثابت ہوئی۔ ظاہر ہے یہاں کے بڑے ڈاکٹر کی طرف سے طبی اصطلاحات میں صحیح یا غلط جو رپورٹ جائے گی اسے لندن کا ڈاکٹر جھٹلا نہیں سکے گا۔''

اسد نے کہا۔''میں سمجھ رہا ہوں ہم یہاں طبی مرحلے میں دھوکا کھا گئے۔ مائرہ کو کینسر نہیں تھا۔ ہم بھائیوں سے فارم پر دستخط لے کر مائرہ کے ممتا بھرے دل میں ہمارے لئے نفرتیں پیدا کر دی گئی ہیں اور بھائی جان! یہ سب شیو بینا نے اس لئے کرایا ہے کہ آپ غصے

اور جنون میں یہاں قتل و غارت گری شروع کر دیں۔ حکمران پریشان ہوں اور شیو بینا والوں کی بن آئے۔''

''انہیں یہ کھیل بہت مہنگا پڑے گا۔''

''یہ آپ کا داؤد سیٹھ دولت کی خاطر ہم مسلمانوں کے کٹر دشمنوں کی مدد کیوں کرتا ہے؟''

اس نے جواب دیا۔''انسان کمزور ہو یا شہ زور، وہ زیادہ سے زیادہ قوت اور اقتدار چاہتا ہے جو لوگ کمزور ہوتے ہیں وہ دفتر سے صاحب کی گالیاں سن کر گھر میں بیویوں اور بچوں کو گالیاں دیتے اور مارتے ہیں، جو لوگ زور آور ہوتے ہیں وہ اپنا زور بڑھاتے بڑھاتے سپر پاور بننا چاہتے ہیں لیکن ایسا کرنے کے لئے لازمی ہے کہ انہیں اکثریت کی حمایت حاصل ہو اور اکثریت اپنے اپنے مذہبی افراد سے حاصل ہوتی ہے۔ کوئی ہندو، مسلمان کی اور کوئی مسلمان ہندو کی حمایت نہیں کرے گا۔ یہودی انگریزوں کے خلاف اور انگریز ہمیشہ یہودیوں کے خلاف ووٹ دیں گے۔

''یہ جو دنیا کی آبادی کم کرنے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں تو یہ بالکل درست ہے، بچے دو ہی اچھے ہوتے ہیں لیکن دونوں ہی بچے ہندوؤں کے ہوں اور مسلمانوں کا ایک بھی نہ ہو تو پھر یہ خاندانی منصوبہ بندی نہیں بلکہ سیاسی شرارت ہے۔ امریکن انفارمیشن سروس (USIS) کی موجودہ رپورٹ کے مطابق فی الوقت امریکا میں ۶۰ لاکھ مسلمان ہیں، وہاں کئی مساجد اور اسلامی مراکز قائم کئے جا رہے ہیں اور مسلمانوں کی تعداد میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اس سے زیادہ اضافہ بھارت میں ہو رہا ہے۔ پوری دنیا میں تقریباً ایک ارب ۲۵ کروڑ مسلمان ہیں اور یہ ایسی تعداد ہے جسے امریکا، اسرائیل اور بھارت اپنے ایٹم بموں سے نہ کم کر سکیں گے۔ نہ نابود کر سکیں گے۔

''اسی لئے ایک سازش کے تحت پچھلے دنوں قاہرہ میں دنیا کی آبادی کم کرنے کے سلسلے میں کانفرنس بلائی گئی تھی، سازش واضح تھی کہ دنیا کی آبادی کو کم کرنے کے پس پردہ

مسلمانوں کی تعداد کم سے کم کی جائے اور ہم جانتے ہیں کہ بھارت میں ہماری تعداد کم کرنے کے لئے کئی طرح کے خفیہ منصوبوں پر عمل کیا جاتا ہے۔

''ابھی تم نے سوال کیا تھا ہم مسلمانوں کے دشمن انتہا پسند شیوسینا کی مدد کیوں کرتے ہیں؟ پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہم کسی بھی مذہب والوں سے دولت حاصل کرتے ہیں اور اپنی ایجنسی کی زیادہ سے زیادہ دہشت قائم کرتے ہیں، یہ ہماری خودغرضی ہے لیکن اس خودغرضی کے پیچھے ہماری حکمت عملی بھی ہے۔ تم نے ایک نہیں کئی اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ بمبئی اسٹاک ایکسچینج میں ایک بج کر چھبیس منٹ سے دھماکے شروع ہوئے تھے۔ ہم نے جان بوجھ کر یہ وقت مقرر کیا تھا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی اکثریت دفتروں سے نکل کر ظہر کی نماز پڑھنے جاتی ہے۔ وہ تمام نمازی محفوظ رہے اور جو نماز نہ پڑھنے گئے ہوں۔ ان کا حساب عاقبت میں ہوگا۔

''اسی طرح بمبئی کے فسادات میں متاثرہ مسلمانوں کے لئے ریلیف کیمپ صرف سنیل دت اور سنجے دت نے قائم نہیں کیا تھا۔ ہمارے لوگ بھی مسلمانوں کے متاثرہ خاندانوں کو امداد پہنچا رہے تھے، چونکہ وہ مشہور و معروف اداکار باپ بیٹے تھے۔ وہ ہندو ہونے کے باوجود انتہا پسند ہندوؤں کی تنقید کا نشان بن گئے۔ بیچارہ سنجے دت اب تک جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہے۔ ہم خاموش تماشائی ہیں اور دنیا والوں کو یہ دیکھنے کا موقع دے رہے ہیں کہ اپنے سینوں میں انسانی محبت سے لبریز دل رکھنے والے ہندوؤں کو بھی بھارت کے ہندو برداشت نہیں کرتے۔''

فون کی گھنٹی بجنے لگی، صمد خان نے ریسیور اٹھا کر سنا۔ دوسری طرف سے سیٹھ داؤد ابراہیم کا پیغام تھا۔ وہ سننے لگا اور ضروری باتیں نوٹ کرنے لگا۔ ان کی گفتگو بیس منٹ تک ہوتی رہی۔ پھر اس نے ایک ماتحت کو بلا کر کہا۔ ''اٹل بہاری اپنے ساحلی مال گودام میں ہے۔ اس کے ساتھ اس کے دو چار حواری ہوں گے پوری کوشش کرو کہ فائرنگ نہ ہو اور اس کے حواری قابو میں آجائیں۔ انہیں باندھ کر زندہ چھوڑ دینا۔ اٹل بہاری کی دھوتی کھول

کر اس کا پھندا بنا کر اسے سولی پر لٹکا دینا۔ حکمرانوں سے ہمارا معاملہ طے ہو گیا ہے کہ ہم کسی علاقے میں بھی دہشت پھیلائے بغیر اپنا کام کریں گے اور حکومت کو بدنام نہیں ہونے دیں گے، اب جاؤ۔''

وہ حکم کی تعمیل کے لئے چلا گیا۔ اس نے دوسرے ماتحت کو بلا کر ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر دیا پھر اسے کاغذ دیتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا اس علاقے اور اس مکان کو اچھی طرح پہچان کر وہاں تک پہنچ سکتے ہو؟''

''جی جناب! میں اس علاقے سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہاں کے تمام مکانوں پر نمبر لکھے ہوئے ہیں، میں اس نمبر کے مکان تک پہنچ جاؤں گا۔''

''اس مکان میں ایک پولیس انسپکٹر اور تین مسلح سپاہی چھپے ہوئے ہیں، وہ سرکاری ڈیوٹی پر ہیں، تمہاری سفید ڈاٹسن اور تمہارے مسلح ساتھیوں کو دیکھ کر وہ مکان سے باہر آجائیں گے اور خاموشی سے ڈیوٹی چھوڑ کر چلے جائیں گے کیونکہ اب ہم سرکار کے لئے کام کر رہے ہیں۔ اس مکان میں جو افراد ہوں، وہ شور نہ مچائیں اور نہ انہیں باہر جانے دیا جائے کوئی باہر سے آنا چاہے تو اسے اندر نہ آنے دینا۔ کوشش کرو ایک بھی گولی نہ چلے۔ میرے وہاں پہنچنے تک امن اور سکون رہنا چاہئے۔ اب جاؤ۔''

وہ بھی احکامات کی تعمیل کے لئے چلا گیا۔ صمد خان دوسرے کمرے میں گیا پھر دس منٹ بعد ایک بریف کیس لے کر آیا، اسد سے بولا۔ ''آؤ چلیں۔''

اسد حیرانی اور تجسس سے یہ تمام کارروائیاں دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''بھائی جان! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

وہ مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ چل کر باہر کار کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ ''ہم بدمعاشوں کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ ہم جہاں جاتے ہیں وہاں کا راستہ بدل بھی سکتا ہے، بس تم تماشا دیکھتے جاؤ۔''

وہ ایک گھنٹے بعد اس مکان میں پہنچے جہاں سفید ڈاٹسن کھڑی ہوئی تھی، باہر کوئی نہیں

تھا اندر صمد خان کے مسلح ماتحت تھے۔ اسد اپنے بھائی جان کے ساتھ دوسرے کمرے میں پہنچا تو مائرہ کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور دوسری کرسی پر ڈاکٹر ساجد احمد سہما ہوا سا تھا۔ مائرہ نے ناگواری سے کہا۔ ''اسد! کیا تم اپنے بھائی کی طاقت اور ظلم کے ذریعے تمام عمر میری گود خالی رکھو گے؟ کیا اس فرشتے کو مار ڈالو گے جو میری اجاڑی جانے والی گود کو آباد کرنے والا ہے۔''

صمد خان نے کہا۔ ''مائرہ! میں نے تمہیں بیٹی کہا ہے............ میں تمہیں تھپڑ بھی مار سکتا ہوں۔ اس لئے جب تک تم سے کچھ نہ پوچھا جائے بالکل خاموش رہو اور تمہارے فرشتے ڈاکٹر سے جو سوالات کئے جا رہے ہیں ان کے جوابات خاموشی سے سنو۔''

پھر صمد نے ڈاکٹر ساجد احمد سے پوچھا۔ ''تم بمبئی آنے سے پہلے پونا ہسپتال میں تھے؟''

''جی، جی ہاں۔''

''تم نے پونا میں بلقیس بیگم سے شادی کی اور دو بچوں کے باپ بن گئے؟ میری اس بات کو جھٹلانے سے پہلے یہ سمجھ لینا کہ ابھی میرے آدمی تمہیں مائرہ کے ساتھ پونا لے جائیں گے پھر وہاں پورا محلہ وہی کہے گا جو میں کہہ رہا ہوں۔''

ڈاکٹر ساجد کے چہرے کا رنگ اڑ گیا، اس نے جھجکتے ہوئے مائرہ کی طرف دیکھا۔

صمد خان نے کہا۔ ''اور ایک بات ذہن میں رکھو۔ میں تمہارے اور مائرہ کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے اس علاقے والے میرے خوف سے جھوٹ بولیں۔ اس لئے چند شریف آدمی ساتھ جا کر آئینہ دکھائیں گے۔''

اسد نے کہا۔ ''ہمارے گن مین اس کمرے میں نہیں ہیں۔ ہم دونوں بھائی نہتے ہیں۔ یہاں دوستانہ اور شریفانہ ماحول میں گفتگو ہو رہی ہے، جو سچ ہے اسے شرافت سے بیان کر دو۔''

بمبئی سے پونا زیادہ دور نہیں ہے۔ وہاں فوراً جا کر سچ اور جھوٹ کی تصدیق ہو سکتی

تھی۔ ساجد احمد نے مجبور ہو کر کہا۔ ''ہاں، یہ درست ہے، میں ایک بیوی اور دو بچوں کا باپ ہوں۔''

مائرہ کے دماغ کو ایک جھٹکا سا پہنچا۔ وہ بے یقینی سے ڈاکٹر ساجد کو تکنے لگی۔ صمد خان نے کہا۔ ''تم دو برس سے بمبئی کے ہسپتال میں ہو۔ اس سے پہلے چار برس پونا میں بیوی بچوں کے ساتھ رہے لیکن پونا سے پہلے ناسک میں پانچ برس رہے۔ وہاں زبیدہ نام کی لڑکی سے شادی کی۔ اس سے تمہارے تین بچے ہیں۔''

وہ پریشان ہو کر بولا۔ ''آپ کیوں گڑے مردے اکھاڑ رہے ہیں۔ وہ بیویاں میرے قابل نہیں تھیں۔''

''کیا تم نے مائرہ کو بتایا ہے کہ وہ بیویاں تمہارے قابل نہیں تھیں اور تم اس بیچاری کو قابل بنانے والے ہو؟''

''مم۔ میں شادی کے بعد مائرہ کو سب کچھ بتانے والا تھا۔''

''تم نے شادی سے پہلے ہمارا فراڈ بتا دیا جبکہ ہم نے فراڈ نہیں کیا تھا۔ ہمیں جھوٹی میڈیکل رپورٹ دکھا کر مائرہ کو کینسر سے بچانے کے لئے جھوٹے فارم پر ہم دونوں بھائیوں سے دستخط لئے۔ ہمیں بری طرف فریب دیا۔''

''نہیں، میں نے فریب نہیں دیا ہے۔''

''ہاں تم نے نہیں، سرجن شرما نے فریب دیا تھا۔''

''جی، جی ہاں، شرما صاحب نے فر.......... فر..........''

''تم سچ اگلتے اگلتے جھوٹ کو قائم رکھنا چاہتے ہو۔''

صمد خان نے اپنے ایک ماتحت کو بلا کر کہا۔ ''اس ڈاکٹر کو زیور پہنا دو۔''

ڈاکٹر ساجد احمد کرسی کے ہتھوں پر ہاتھ رکھے بیٹھا تھا۔ ماتحت نے اس کے ہاتھوں کو کرسی کے ہتھوں پر ہتھکڑیوں سے باندھ دیا۔ صمد خان نے اپنے بریف کیس سے پرفیوم اسپرے کرنے والے دو چھوٹے کین نکالے۔ پھر ایک کین اسد کو دے کر کہا۔ ''ابھی مائرہ

کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ یہ تمہاری ہے، تمہاری رہے گی۔ ذرا اس پر محبت سے خوشبو اسپرے کرو۔''

اسد نے بھائی کی ہدایت پر عمل کیا۔ مائرہ کے پاس آ کر بولا۔''ہماری سچائی بھائی جان ثابت کریں گے۔ ویسے اب تک تمہیں اس ڈاکٹر کے کافی فراڈ کا علم ہو گیا ہے۔ اس لئے میں تمہیں پیار کی خوشبو دے رہا ہوں۔''

اس نے مائرہ کے لباس پر خوشبو اسپرے کی۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ صمد خان خوشبو اسپرے کرنے والا دوسرا کین لے کر ڈاکٹر ساجد احمد کے پاس آیا پھر بولا۔''ڈاکٹر! یہ وہ خوشبو ہے جو چھپے ہوئے سچ کو خود بخود ظاہر کر دیتی ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے اسپرے کیا تو اس کی بو سے ڈاکٹر چیخ کر بولا۔''نہیں، یہ پیٹرول ہے۔ یہ۔ یہ تم کیا کر رہے ہو؟''

صمد خان نے ایک لائٹر جلا کر پوچھا۔''تم نے ناسک میں زبیدہ سے اور پونا میں بلقیس سے شادی کیوں کی؟ اور اب مائرہ سے کیوں کرنا چاہتے تھے؟ ان مسلمان عورتوں سے ہونے والے بچے مسلمان ہوں گے یا ہندو؟''

اس نے ڈاکٹر کو آگ سے متعارف کرایا تو تعارف مکمل ہوا۔ اس کے چیخنے چلانے کے دوران جو آگ بھڑکی اس سے پہلے لباس جلا پھر بدن میں آبلے پڑے۔ ماتحت نے حیرانی سے کہا۔''ارے یہ ڈاکٹر تو مسلمان نہیں ہے۔''

صمد خان اپنا بریف کیس اٹھا کر جانے لگا، وہ جرم کر کے جا رہا تھا یا انصاف کر کے، اس کا فیصلہ کوئی بھی کر سکتا تھا۔ بھارت میں جب سے طاعون کی وبا پھیلی تھی تب سے اس نے یہی ڈاکٹری مشورے سنے تھے کہ طاعونی آبادی کے جراثیم پھیلانے والے چوہوں کو فوراً جلا دینا چاہئے۔

☆====== ختم شد ======☆